عالم اسلام میں جدید سائنسی ترقی کیوں نہ ہوسکی؟

بلاسود بینکاری پر امت کا اجماع کیوں نہ ہوسکا؟

عالم اسلام میں مغرب کی سائنسی ترقی کیوں ممکن نہ ہوسکی؟

برنارڈ لیوس نے یہ سوال اٹھایا ہے:

Why did scientific break through occur in Europe and not as, one might reasonably have expected in the richer, more advanced and in most respects more enlightened realm of Islam?

ہمارے حلقے اس سوال پر ششدر رہ ہوکر شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ گزشتہ دوسو سال میں اس سوال کے سات مختلف جوابات دیئے گئے ہیں[۱] مغربی استعمار کا عالم اسلام پر تسلط، [۲] قدامت پرستی جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، [۳] اسلامی روایات واقدار سے قطع تعلق، [۴] ناخواندگی، [۵] آبادی میں بے تحاشہ اضافہ [۶] عورتوں کی قومی زندگی میں عدم شمولیت [۷] آمریت جو ایجادات کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ یہ جوابات دینے والے بھول گئے کہ جب مسلمانوں نے روم اور ایران کی دوعظیم طاقتوں کو شکست دی تب مسلمانوں کے پاس نہ کتب خانے تھے نہ کارخانے نہ اسلحہ خانے، نہ خواندگی عام تھی نہ آبادی زیادہ تھی نہ سائنسی ترقی تھی نہ کالج یونیورسٹی قائم تھے نہ عورتیں مردوں کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شریک تھیں صرف ایک کتاب سارے عرب میں موجود تھی۔ لیکن مسلمانوں نے صرف کردار اور یقین کی دولت سے دوعظیم طاقتوں کو شکست دے دی۔

جدید سائنس اور قدیم سائنس میں فرق:

جدید سائنس کی ترقی پر رشک کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جدید سائنسی ترقی اچانک آناً فاناً نہیں ہوئی اس کی طویل تاریخ ہے جس کا پس منظر جانے بغیر اس ترقی کو فطری ترقی تصور کرنا غیر علمی رویہ ہے، جدید سائنس کی اصل حقیقت سے آگہی کے لیے قدیم سائنس اور ازمنہ وسطیٰ کی سائنس سے جدید سائنس کے تقابلی مطالعات لازمی ہیں جس سے

اس بات کا اندازہ ہوگا کہ دنیا کے قدیم اور وسطی معاشروں میں سائنس کا مقام کیا تھا اور اس کا کیا کردار تھا۔ سائنس ان ادوار میں معاشروں کے خادم کا کردار ادا کرتی تھی یا اسے معاشروں پر حاکمانہ تسلط حاصل تھا سائنس اس عہد کی علمیات اور الٰہیات سے برآمد ہوئی تھی یا اس عہد کی علمیات اور الٰہیات سائنس کے غلام تھے۔ ان مباحث سے صرف نظر کر کے جدید سائنس کو فطری، حقیقی سمجھنا محض مفروضات پر یقین رکھنا اور سائنس کے ارتقاء کی تاریخ سے کامل عدم آگہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ موقف رکھنے والے جدید سائنس کے فلسفہ مابعد الطبیعیات، اس کے تصور کائنات و تصور انسان اس کے مقاصد اور اہداف سے کلی طور پر ناواقف ہیں۔ جدید سائنس جدید فلسفہ مغرب کے بطن سے برآمد ہوئی ہے اور فلسفہ مغرب کی بنیاد سرمایہ داری و عیسائیت کی تاریخ کے عمیق مطالعے کے بغیر تلاش کرنا محال ہے۔

سائنس: نیچرل فلاسفی کہلاتی تھی:

انیسویں صدی کے آخر تک سائنس نیچرل فلاسفی کہلاتی تھی لیکن انیسویں صدی کے اختتام پر اسے فلسفہ سے الگ کر دیا گیا اور سائنس خود ایک ذریعہ علم بن گئی۔ سائنس اور فلسفے میں جب تک ہم آہنگی تھی چیزوں کی حقیقت اور قدر کا سوال برقرار رہتا تھا مثلاً یہ سوال موجود رہتا تھا کہ میں پانی کیوں پیوں؟ لیکن سائنس جب فلسفے سے الگ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سوال بے کار تھا کہ پانی پیا جائے یا نہیں۔ اس سوال کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اصل سوال یہ ہے کہ اچھے طریقے سے پانی کس طرح پیا جائے۔ دلیل[Reason]اور[Rational] عقلیت جب آلاتی [Instrumental] ہوگئے تو سائنس فلسفہ سے الگ ہوگئی، جدید سائنس کا بانی نیوٹن ایک مذہبی شخص اور فلسفی بھی تھا اس نے بھی سائنس کو فلسفے سے الگ نہیں سمجھا اس کی کتاب کا نام Principle of Natural PhilosophyMathematical تھا۔ نیوٹن نے نصف زندگی مذہبی کتابیں لکھیں، وہ خدا کے وجود کا دل سے قائل تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ خدا کائنات بنا کر اس سے الگ تھلگ ہو گیا ہے۔ اس تصور نے ایک بے خدا سائنس تیار کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے بھی ذہن سے خدا کو ثابت کیا۔ کانٹ نہایت مذہبی شخص تھا لیکن ڈیکارٹ نیوٹن اور کانٹ جو خدا کے قائل تھے ان کے پیش کردہ فلسفہ کے نتیجے میں خدا کا وجود مغربی تہذیب و تاریخ سے خارج کر دیا گیا۔ یہی کام اسلامی جدیدیت پسند عالم اسلام میں کر رہے ہیں وہ بہت نیک اور راسخ العقیدہ ہیں لیکن ان کی غلط فکر کے نتیجے میں اسلام کو مستقبل میں یہی خطرات درپیش ہوں گے۔ قدیم سائنس میں خدا کا تصور خدا کا کردار موجود تھا کیونکہ وہاں انسان مخلوق تھا، خالق نہ تھا، اپنے مخلوق ہونے کا احساس اسے خدا اور آخرت کے تصورات سے وابستہ رکھتا تھا، لیکن Newtonian تصور کائنات کے بعد کائنات ایک Subject ہے اور انسان محض Object۔ اس کے نتیجے میں مادی تصور کائنات وقوع پذیر ہوا جس نے خالق کائنات کی جگہ لے کر انسان کو خالق قرار دے دیا۔ نیوٹن کے افکار سے استفادہ کے لیے ہمیں بیکن، لاک، ڈیکارٹ اور گیلی لیو کے فلسفے و افکار کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ بیکن نے Induction کے طریقے کو متعارف کر کے جزو کی بنیاد پر کلیات قائم کرنے کا سائنسی طریقہ بتایا۔ جس نے بے شمار مسائل پیدا کیے۔ یہ طریقہ آخر کار خود ایک مسئلہ بن گیا اور اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکا تو مسئلے کے حل کے لیے پاپر کا شہرہ آفاق طریقہ Falsification ایجاد ہوا جس کے تحت سائنس کی ترقی اور ارتقاء صرف اس عمل سے مشروط ہے کہ اس کے کتنے اصول ٹوٹے، پامال ہوئے، غلط قرار دیے گئے۔ جب تک پہلا نظریہ ثابت نہیں ہوجاتا وہی نظریہ درست قرار پائے گا

اور جیسے ہی یہ نظریہ غلط قرار پائے گا۔ نیا نظریہ اس کی جگہ لے لے گا۔ اسی لیے بعض زعماء کی رائے ہے کہ سائنس علم نہیں ''محض کام چلانے کا طریقہ ہے زندگی کے کاررواں کو یہ چالو رکھنے کا کام کرتا ہے کب تک کچھ نہیں کہا جا سکتا، کام چل رہا ہے لہٰذا کام چلاتے رہو۔ ڈیکارٹ نے Dualism کا نظریہ دیا جس کے نتیجے میں ایک نیا انسان پیدا ہوا جس کے فکر ونظر کے پیمانے قدیم انسان سے قطعاً مختلف تھے۔ اسی لیے فوکو نے کہا تھا کہ انسان تو اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے۔ یہ خلق جدید کائنات اور انسان کے بارے میں ایک عجیب نقطۂ نظر لے کر اٹھی جس نے آخر کار فلسفے، سائنس کائنات اور انسانوں کی زندگی سے خدا کو خارج کر دیا۔ ڈیکارٹ، بیکن اور لاک نے نیوٹن پر اثر ڈالا اور نیوٹن نے مغرب کے سب سے بڑے فلسفی کانٹ پر اثر ڈالا۔ کانٹ نے اپنے علم کی بنیاد پر یہ فیصلہ دے دیا کہ علم، عقل اور تجربے کے بغیر وجود نہیں رکھتا لہٰذا مابعدالطبیعیاتی سوالات پر غور وفکر ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا انسان حقیقت، اصلیت نہیں جان سکتا ہر شخص قائم بالذات ہے خود مختار ہے، عقلیت کا حامل ہے خود قانون بنا سکتا ہے اور اگر وہ ان خصوصیات کا حامل نہیں تو وہ انسان ہی نہیں ہے۔ Cartaginian Newtonian world view نے سائنس کے سوچنے، سمجھنے اور برتنے کے تمام پیمانے بدل ڈالے اور کائنات پر غور وفکر کے تمام قدیم اسالیب تہس نہس کر دیئے لہٰذا اس پورے عمل کا مطالعہ کیے بغیر سائنس کی ہلاکت آفرینی سمجھی نہیں جا سکتی۔ اس بات پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے کہ کیا سائنس پہلے وجود میں آئی یا ٹیکنالوجی پہلے وجود میں آئی۔ انسان جب سے اس کائنات میں موجود ہے اپنی ضروریات کے مطابق آلات اوزار تیار کرتا رہا ہے لہٰذا ٹیکنالوجی تو قدیم زمانے سے موجود ہے۔ اس ٹیکنالوجی کی علمی تفہیم کے لیے سائنس وجود میں آئی۔ مثلاً جرمنی میں کپڑا رنگنے کے بہت سے طریقے مستعمل تھے، اس تکنیک سے کیمیا کی سائنس وجود میں آئی۔ سترہویں صدی سے پہلے ٹیکنالوجی سائنس کی مددگار تھی لیکن سترہویں صدی کے بعد سائنس ٹیکنالوجی کی مددگار بن گئی ہے۔ بلکہ معاملات اب اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اصطلاحات مدغم ہو کر ایک نئی اصطلاح کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں جسے ہم عہد جدید میں Techno-Science کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کے مفاہیم کی ایک الگ دنیا ہے۔ اس وقت سائنس وٹیکنالوجی کے بیشتر دھارے فزیکل، ٹیکنالوجی، میڈیکل ٹیکنالوجی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی تک محدود ہو گئے ہیں۔ سترہویں صدی سے پہلے تمام مذہبی معاشروں میں سائنس وٹیکنالوجی لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خادم کے طور پر کام کرتے تھے۔ بیسویں صدی میں ٹیکنو سائنس انسانوں کی ضروریات نہیں خواہشات پوری کرنے کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ یہ خواہشات بھی فطری خواہشات نہیں بلکہ غیر فطری خواہشات ہیں ان کی تخلیق مصنوعی طریقے سے کی گئی ہے۔ جنھیں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے فطری خواہشات کا درجہ دے دیا گیا اور ہر انسان ان غیر فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے بے خود ہو گیا ہے۔ ٹیکنو سائنس تکاثر کا دوسرا نام ہے۔ یہ شہوت وغضب کی عالمگیریت کا اعلامیہ ہے۔ یہ غیر فطری خواہشات کو تخلیق کر کے انھیں بھڑکا کر آگ لگا کر حلقہ خریداری مہیا کرتی ہے۔ ٹیکنو سائنس انسانیت کی نہیں حیوانیت، جاہلیت، شہوت غضب، نفس پرستی یا مختصر لفظوں میں سرمایہ داری کی حاشیہ بردار اور خادم ہے۔ یہ سرمایے سے نکلی اور سرمایے سے چلی ہے۔ اس کا وجود صرف اور صرف سرمایہ کا مرہون منت ہے۔ لہٰذا یہ سرمایہ پیدا کرتی ہے اور سرمایہ میں مسلسل اضافے کا نام ہے۔ ٹیکنو سائنس کے ذریعے غیر فطری خواہشات کی تکمیل کے نتیجے میں جو مسائل، بیماریاں، آلام، مصیبتیں، عوارض، نفسیاتی مسائل، ذہنی وقلبی جنسی وجسمانی امراض پیدا ہوتے ہیں ان کے علاج کے لیے ٹیکنو سائنس عظیم طبی

ایجادات کرتی ہے یعنی پہلے مسائل پیدا کرتی ہے پھر مسئلے کو حل کرتی ہے اور اس غیر فطری عمل کو عظیم الشان سائنسی وطبی انقلاب کا نام دیتی ہے۔ ٹیکنو سائنس کا پہلا اور آخری وظیفہ سرمایہ کی بڑھوتری ہے اور سرمایہ کی بڑھوتری میں خدا کی رضا تلاش کرنا مغربی تہذیب سائنس اور مغربی ٹیکنالوجی یا مختصراً ٹیکنو سائنس میں ممکن ہی نہیں رہا۔ لہٰذا مغرب میں ہر چیز سرمایہ دارانہ معیشت، سرمایہ دارانہ معاشرت اور سرمایہ دارانہ تنظیم میں ڈھل گئی ہے۔ جدید سائنس یا ٹیکنو سائنس جو بھی اہداف متعین کرتی ہے ان کا حصول سرمایہ کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا دولت ہی اصل نیکی قرار پائی Wealth is Virtue کیونکہ دولت کے بغیر ایجاد ممکن نہیں ایجاد کے بغیر ترقی اور کمال ممکن نہیں اس کے بغیر لذت کا حصول ناممکن ہے۔ ترقی کمال لذت کے بغیر دنیا کا وجود اس کارخانہ ہست وبود کی ضرورت رائگاں ہے۔ زندگی کے تمام رنگ پھیکے ہیں یہ زندگی فی الحقیقت قفس، قید خانہ، محبس ہے لہٰذا ان آلام سے چھٹکارے کے لیے دولت کا حصول اصل مقصد زندگی ہے۔ لہٰذا کیسا خدا کیسا نبی...... پیسہ خدا پیسہ نبی

بل اور بینتھم کے نظریات نے لذت اور لطف اندوزی کی ایک خاص ذہنیت پیدا کی جو ستر ہویں صدی سے قبل دنیا کے تمام معاشروں میں مفقود تھی۔ زندگی کا مقصد افادیت ولذت پرستی سے جوڑ دیا گیا یہی حاصل زندگی بن گئی۔ اس ہدف کی تکمیل یعنی لذت تعیّشات معیار زندگی میں اضافہ اور خواہشات کی سرعت سے تکمیل کے اہداف سائنس وٹیکنالوجی نے برق رفتاری سے طے کیے۔ آج سائنس کی جس قدر بھی ترقیات ہیں وہ اسی نقطۂ نظر کی ترویج توسیع اشاعت تک محدود ہیں کیونکہ سرمایہ دارانہ حرص وحسد کے نتیجے میں انہی دائروں میں غیر معمولی ترقی ممکن ہے۔ مغرب کے بڑے بڑے فلسفی سائنس کو Value Natural نہیں مانتے وہ اسے Value Specific قرار دیتے ہیں۔ مغرب کے فلسفیوں نے فلسفے سے خدا، مذہب، آخرت اور تمام مابعد الطبیعیاتی سوالات کو خارج کر دیا کسی بڑے جدید مغربی فلسفے کے نظام فکر میں موت کے سوال پر غور وفکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہائیڈیگر جیسا عظیم فلسفی بھی یہ کہتا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہم کہاں جائیں گے۔ یہ لایعنی سوالات ہیں، اصل مسئلہ میرے وجود کا ہے۔ اصل مسئلہ ذات کے اظہار کا اور روزانہ کی زندگی Everyday life کا ہے۔ فلسفہ نے جب خدا سے اور حقیقت مطلق سے دامن چھڑا لیا تو سائنس دانوں نے بھی سائنس سے خدا کو خارج کر دیا لیکن ہمارے مسلم جدیدیت پسندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ کسی طرح سے سرمایہ داری، سرمایہ دارانہ نظام، سائنس، ٹیکنو سائنس میں خدا کو داخل کر دیا جائے تاکہ اس کافرانہ نظام کی اسلام کاری ہو سکے۔ وہ جدید سائنس کے فلسفیانہ مباحث سے ناواقف ہیں انھیں معلوم ہی نہیں کہ جدید سائنس میں روایت، مذہب، روحانی تجربات اور مابعد الطبعیاتی سوالات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ اس کا موضوع دائرہ کار نہیں ہے ننانوے فی صد جدیدیت پسند اور راسخ العقیدہ مسلم مفکرین سائنسی طریقہ کار سے قطعاً ناواقف ہیں لہٰذا وہ سائنس سے اسلام کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مثلاً ذاکر نائیک صاحب نے Big Bang تھیوری سے کن فیکون کو ثابت کر دیا جب کہ بگ بینگ تھیوری نہ verify ہو سکتی ہے نا Falsify کیونکہ یہ ایک تصوراتی نظریہ ہے۔ ایسے آلات موجود ہی نہیں ہیں جس سے اس نظریے کو تجربات، مشاہدات کے ذریعے تجربہ گاہوں میں غلط یا درست ثابت کیا جا سکے۔ گیلی لیو کہتا تھا کہ جس سائنسی مفروضے یا نظریے کو ریاضیاتی زبان میں ثابت نہ کیا جا سکے وہ جذبات کا معاملہ ہے۔ سائنس اور عقل کا مسئلہ نہیں۔ ذاکر نائیک اور بے شمار جدیدیت پسند مفکرین اپنے جذبات کو سائنس کے جذبات

سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو آخر کار ناکام ہو جائیں گے جس طرح Islamization of Knowledge کی تحریک جو مخلص مسلم مفکرین نے مغرب میں شروع کی تھی۔ مضحکہ خیز علمی تحقیقات کے بعد مسترد ہوگئی۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ قدیم سائنس کا وجود حقیقت کے تصور سے نکلتا تھا وہ جو حقیقت ازلی اور حقیقت مطلق ہے جسے ذات باری تعالیٰ کہتے ہیں، اس کے برعکس جدید سائنس کا تصور حقیقت خدا سے انکار پر مبنی ہے اگر جدید سائنس کی مابعد الطبیعیات نکال کر اس میں اسلام کی مابعد الطبیعیات شامل کر دی جائے تو کیا جدید سائنس کو مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے، ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ سائنس جو اسلامی تاریخ تہذیب الہیات اور مابعد الطبیعیات سے نکلے گی وہی معتبر بہتر اور موثر ہوگی۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مادی ترقی، تمام سائنسی علوم، تسخیر کائنات کے نظریات لے کر آیا تھا لیکن اس پر عمل کی سعادت کفار کو حاصل ہوئی۔ جدیدیت پسندوں کا یہ نظریہ مغرب اور انبیاء کی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

جدید سائنس جزو [some] سے [all] کا اصول [drive] اخذ کرتی ہے۔ یہ طریقہ Induction کہلاتا ہے جس کا بانی بیکن تھا اس کی بنیاد چند مشاہدات پر ہے۔ ان مشاہدات کی بنیاد پر کل نتائج اخذ کر لیے جاتے ہیں جب ان نتائج کے برعکس کوئی نتیجہ سامنے آئے تو پاپر کے Falsification کے طریقے کو استعمال کر کے نئے نتائج تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ اس سائنسی طریقے سے ہم موت کے سوال کو حل نہیں کر سکتے جو اسلامی مابعد الطبیعیات کا اہم عنصر ہے۔ کیونکہ سائنٹفک میتھڈ میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اس طریقے سے موت کی حقیقت کو زیر بحث لایا جا سکے۔ انسان موت کے تجربے کا اظہار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ موت کا تجربہ تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ موت کے منہ سے نکلنا درحقیقت موت کا تجربہ نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ موت کے منہ سے واپس آجاتے ہیں۔ موت کے تجربے کے لیے مرنا ضروری ہے۔ مغربی فلسفے و سائنس نے استقرائیت و استخراجیت Induction اور Deduction کو اختیار کیا ہے۔ لیکن ان دونوں طریقوں سے موت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مغرب نے مذہب خدا آخرت سے بہ ظاہر انکار کر دیا لیکن موت کا تجربہ روزانہ ہوتا ہے اس تجربے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب نہ فلسفے کے پاس ہے نہ سائنس دانوں کے پاس لہٰذا موت کے روزانہ تجربات کے باعث موت کے سوال کو مغربی معاشرے سے ختم نہیں کیا جا سکا۔ موت کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کی حالت عجیب ہو جاتی ہے۔ مغربی تہذیب کا نقطہ، ماسکہ، لذت ہے لہٰذا موت کا سوال لذت سے الگ کر دیتا ہے۔ کرب میں مبتلا کرتا ہے۔ لہٰذا ٹیکنو سائنس اور پس جدیدیت کے فلسفے نے اس سوال کو بھی منظر سے غائب کر دیا کہ انسان زندہ کیوں رہنا چاہتا ہے؟ موت کے سوال پر غور کرتے ہوئے کئی مغربی افسانہ نگار فلسفی خودکشی کر چکے ہیں ان میں اس صدی کا عظیم فلسفی ڈیلوس بھی ہے جس نے ہسپتال سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔

سائنس کا آغاز بھی مفروضات سے ہوتا ہے، نتائج سے نہیں۔ کوانٹم میکنکس کا آغاز بھی ہائزن برگ کے اصول غیر یقینی سے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم ایک وقت میں سب کچھ نہیں جان سکتے۔ ہم ایک وقت میں مادہ کا مقام جان سکتے ہیں یا اس کی رفتار۔ بوہر نے ہائزن برگ کے اصول کی فلسفیانہ تشریح کی ہے۔ نیوٹن نے حقیقت مطلقہ کو جاننے کی کوشش کی تھی لیکن آئن اسٹائن کے بعد مغرب میں کوئی ایسا سائنس داں پیدا نہیں ہوا جو سائنس کو حقیقت مطلقہ کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھتا ہو۔ کوانٹم میلنکس کی ترقی نے حقیقت مطلق کے سوال کو بے معنی کر دیا ہے۔ مغرب میں اب صرف سائنس داں پیدا ہو رہے ہیں پہلے

یہ فلسفی بھی ہوتے تھے۔انھیں چیزوں کی حقیقت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے صرف اس کے فائدے سے دلچسپی ہے اور یہ کہ اس ایجاد سے سرمایہ میں کتنا اضافہ ہوگا لہٰذا اقدار اور حقیقت کے سوال لایعنی ہوگئے۔جب مابعد الطبیعیات ختم ہوگئی تو اخلاقیات کے اصول کہاں سے اخذ کیے جاتے لہٰذا مغرب سے اخلاقیات کا بھی خاتمہ ہوگیا۔مصنوعی اخلاقیات کے اصول بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں ان کی بنیاد بھی فائدے اور لذت پر ہے۔

جدید سائنس کا دعویٰ: اعتراف عجز

جدید سائنس مادیت کو اصل مقصود قرار دے کر اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے۔اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مابعد الطبیعیاتی سوالات کا جواب دریافت کرلے گی اور آثار کائنات کے مشاہدات کے ذریعے خالق کائنات کو جان لے گی لیکن جوں جوں اس کا سفر آگے بڑھتا گیا اس نے اپنی تہی دامنی کا اعتراف کرلیا کہ مابعد الطبیعیاتی سوالات کا جواب اس کے دائرے سے باہر ہے اس عجز کے باوجود اس نے خدا اور آخرت کا انکار کردیا۔نیوٹن نے جس مادیت کی بنیاد پر جدید سائنس کو فروغ دیا تھا اس کا منطقی اور فطری نتیجہ یہی تھا۔مغربی فلسفے نے جدید سائنس کو مادیت کے فروغ کے لیے آلہ کار بنایا لہٰذا اس نے پوری دنیا کو مادیت کا غلام بنادیا۔مغرب کی تین سو سالہ تاریخ میں کوئی ایک سائنس دان ہے جو ولی اللہ بن گیا ہو جب کہ اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم والے ہوں یہ کیسا علم ہے جو معرفت رب عطا نہیں کرتا۔آثار کائنات کے عمیق مشاہدے کے باوجود اللہ کی قربت سے فیض یاب نہیں ہونے دیتا وجہ یہ ہے کہ سائنس دان مادیت کی تلاش میں محو سفر ہوتا ہے وہ خود کو خالق سمجھتا ہے لہٰذا تخلیق کے اس نام نہاد عمل میں اس کی اصل منزل او جھل ہوجاتی ہے اور وہ آثار کائنات سے خدا کی قربت حاصل کرنے کے بجائے خدا کے انکار کی جرات حاصل کرتا ہے۔

جدید سائنس: عیسائیت سے مادہ پرستی تک

جدید سائنس کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں مادیت پرستی کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا، عیسائیت سے مادیت تک کا یہ سفر کیسے طے ہوا کون اس کا ذمہ دار تھا؟ یورپ میں نصف سے زیادہ زمینوں کی ملکیت کا کلیسا کے پاس ہونا، کلیسا کا دولت پرستی میں مبتلا ہونا، قوت کے زعم میں مظالم کا ارتکاب، یونانی سائنسی نظریات کو مذہب کا حصہ بنانے کے بعد اس کے سائنسی ابطال کو تسلیم کرنے سے انکار اور ان مذہبی سائنسی نظریات کے ابطال کرنے والوں پر بہیمانہ تشدد، Inquisition کی تاریخ جب کلیسا نے ہزاروں عیسائیوں اور عورتوں پر مظالم کیے، قتل کیا، عورتوں کو زندہ جلایا۔کلیسا کے اخلاقی انحطاط کے نتیجے میں کلیسا کی شکست، کلیسا کی دنیا پرستی تشدد اور بربریت کے ردعمل میں پروٹسٹنٹ ازم کا فروغ، تحریک تنویر، تحریک رومانویت، قومی ریاستوں کا قیام، جدید فلسفہ اور جدید سائنس کا فروغ، نوآبادیات کا قیام، نوآبادیات کے قیام کے نتیجے میں دولت کی لوٹ مار اور اس کا دور دراز سے سمٹ کر یورپ میں جمع ہونا، سرمایہ دارانہ فکر کا ارتقاء، سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ، امریکی ریاست کا قیام، بنیادی حقوق کے منشور کی تاریخ وغیرہ وغیرہ۔ان مباحث پر گہری نظر کے بغیر جدید سائنس کے حیرت انگیز ارتقاء کی کہانی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

ہندوستان کی دولت: ایجادات کا باعث

اٹھارہویں صدی کے وسط تک انگلستان زرعی ملک تھا لیکن پلاسی کی جنگ کے بعد ہندوستان کی دولت

سمندری طوفان کی طرح انگلستان میں آنے لگی۔ یہی دولت ایجادات کا باعث بنی۔ برطانیہ کی صنعتی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر کنگھم نے لکھا ہے کہ ”ایجادیں اتنے بڑے پیمانے پر صرف اس لیے نہیں ہوئیں کہ جیسے لوگوں کی ذہانت آناً فاناً پھوٹ پڑی ہو، اصل وجہ یہ تھی کہ ملک میں سرمایہ اتنا اکٹھا ہوگیا تھا کہ ان ایجادات کا مصرف نکلنے کا امکان پیدا ہوگیا تھا۔“ اس موضوع پر Leo Huberman کی کتاب Man's Worldly Goods بہت سے حقائق آشکار کرتی ہے۔ جس کے اقتباسات ہم شروع میں پیش کرچکے ہیں۔ نوآبادیات میں لوٹ مار کی کہانی مائیکل مین کی کتاب Darkside of Democracy اور رومیل کی کتاب Death by Government میں پڑھی جاسکتی ہے۔ مائیکل مین کہتا ہے کہ نسلی قتل عام مغربی تہذیب کی خصوصیت ہے جس کی بنیاد قوم پرستی پر رکھی گئی جو مغربی تہذیب کی بہیمیت کا فطری جواز مہیا کرتی ہے اس کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

Thus unfortunately for us murderous ethnic cleansing is not primitive or alien. It belongs to our own civilization and to us, most say this is due to the rise of nationalism in the world and this is true.

پچاس کروڑ لوگوں کی لاشوں اور کھربوں روپے کی لوٹ مار پر جدید سائنس کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ لوٹ مار کی یہی دولت اس حیرت انگیز سائنسی ترقی کی بنیاد بنی جو آج ہر شخص کو فطری حقیقی ضروری اور عین اسلامی معلوم دیتی ہے۔ کیا مذہبی ریاستیں جبر واستبداد اور لوٹ مار کا مذہبی جواز فراہم کرسکتی تھیں۔ مذہبی معاشروں میں اس بہیمیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ عیسائیت کی خامیوں، کوتاہیوں اور مذہبی استبداد کے باوجود اس کا موازنہ اگر مہذب متمدن جدید سائنسی یورپی انسانوں کی لوٹ مار دہشت گردی سے کیا جائے تو ہمیں مذہبی دور جو مغرب کی اصطلاح میں Dark Age[تاریک دور] جدید دور Engligthened[روشن خیال] کے مقابلے میں زیادہ شریفانہ، محبت والا اور قابل رشک نظر آئے گا۔ اس کے ظلم وجبر بھی لامحدود نہیں تھے۔ محدود ہی تھے۔ کیونکہ عسکری آلات بھی اسی علمیات کے نتیجے میں تیار ہوئے تھے، جس کے مطابق تمام مخلوق اللہ کا کنبہ سمجھی جاتی تھی اور اس کنبے کی ہولناک تباہی کا تصور الہامی مذاہب میں نہیں پایا جاتا تھا۔

سائنسی ترقی میں براعظموں کی لوٹ مار: مرکزی عامل

مغربی فکر وفلسفے سے نکلے والی خلق جدید کی بہیمیت کی اس تاریخ کو اور سرمایہ داری کی ابتدائی تاریخ کو پڑھے بغیر سائنسی ایجادات وترقی کا سبب سمجھ میں نہیں آسکتا اس سلسلے میں جو مظالم ہوئے ہیں اور براعظموں کو جس طرح لوٹا گیا ہے خصوصاً امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ، ایشیا اور وہاں کے لوگوں کو جس طرح تہس نہس کر کے مال لوٹا گیا اس کے نتیجے میں صنعتی ترقی اور سائنس کا پہیہ چلا ہے۔ صنعتی ترقی کے لیے کروڑوں افریقی غلام استعمال ہوئے اور ہلاک کیے گئے۔ غلاموں کا اس طرح استعمال کسی مذہبی معاشرے میں نہیں ہوا۔ ۱۷۰۰ ویں صدی سے پہلے ہونے والے عیسائیوں کے مظالم Inquisition وغیرہ بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں، پھر سرمایہ داری نے مزدور کا جو حشر کیا وہ عبرتناک ہے۔ جاگیرداری کے زمانے میں ظلم تھا لیکن محدود اس کی تفصیل بھی آپ کو لیو ہیبر مین کی کتاب میں ملے گی۔

سائنسی تحقیقات کا مقصد: سرمایہ کس کا ہے؟

ہم لوگ سرمایہ داری کے آغاز ارتقاء کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں لہٰذا سائنسی ایجادات سے متاثر ہوجاتے ہیں اس وقت بھی جتنی سائنسی تحقیقات ہورہی ہیں اس کے پیچھے سرمایہ کس کا ہے؟ سائنسی تحقیقات کا مقصد کیا ہے؟ انسانیت کی خدمت؟ دولت کمانا؟ دولت کمانا ہی اصل مقصد ہے لہٰذا یہ محرک تیزی سے ایجادات کا سبب بن رہا ہے لہٰذا سائنس یا اس کی ترقی کو مغرب کے فلسفے تاریخ، مابعد الطبیعیات، نو آبادیات میں لوٹ مار، تصور انسان تصور نفس اور تصور کائنات تصور آخرت کو سمجھے بغیر مجرد دیکھنا اور سمجھنا مناسب نہیں ہے کوئی مذہبی ریاست دوسروں کو لوٹ کر ترقی کا پہیہ نہیں چلا سکتی۔ ایسی ظالم ترقی پر غیر ترقی یافتہ معاشرے کو ترجیح دینا دین کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ [عالم اسلام کے جدیدیت پسند مفتی عبدہٗ سے لے کر وحید الدین خان تک مسلسل ترقی، ارتقاء، سائنس و ٹیکنالوجی کی باتیں کررہے ہیں لیکن یہ حضرات مغرب کے فکر و فلسفے، اس کی علمیات اور اس کی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں کیونکہ ان کی تحریروں میں کسی ایک بڑے مغربی فلسفے کا حوالہ یا اس کے فکر و نظر پر کوئی بحث نظر نہیں آتی۔ چند تعارفی مقبول عام [پاپولر] انگریزی کتابوں سے عطر کشید کر کے یہ حضرات صہبائے اسلامی تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ حضرات مغربی فکر و فلسفے کے بنیادی مباحث سے بھی واقف نہیں ہیں۔ مفتی عبدہٗ تو انگریزی زبان سے بھی ناواقف تھے یہی حال سرسید کا تھا۔] سائنسی ترقی میں کھربوں روپے کی سرمایہ کاری اسی لوٹ کے مال سے کی گئی۔

کیا ہم لوٹ مار کے بغیر کوانٹم میکنکس کا ایک تجربہ کرسکتے ہیں؟

کوانٹم مکینکس کے ایک تجربے کے لیے پاکستان کے بجٹ سے کئی گنا زیادہ رقم درکار ہے۔ یہ رقم لوٹ مار کے سوا کسی طریقے سے نہیں اکٹھی کی جاسکتی۔ اس تجربے کے لیے کم از کم ایک ہزار ماہرین کی جماعت درکار ہے۔ اس تجربے کی کامیابی اور ناکامی دونوں کا امکان برابر ہے۔ استعماری طاقت بنے بغیر ان سائنسی تجربات کا خرچ برداشت کرنا محال ہے۔ کوانٹم مکینکس کی ایک مساوات Equation اگر کمپیوٹر کے ذریعے حل نہ کی جائے تو پوری زندگی میں ایک سائنس داں صرف ایک مساوات کو حل نہیں کرسکتا۔ اگر کمپیوٹر ایجاد نہ ہوتا تو کوانٹم مکینکس صرف نظری علم رہتا لہٰذا جدید سائنس کے لیے کھربوں روپے کی سرمایہ کاری ضروری ہے۔ آئن اسٹائن نے $E=mc^2$ کا جو نظریہ پیش کیا تھا اسے ثابت کرنے کے لیے ٹیکنالوجی بعد میں وجود میں آئی لہٰذا سائنس اب ٹیکنالوجی کی محتاج ہوچکی ہے اور ٹیکنالوجی سرمایہ کی محتاج ہے اور سرمایہ صرف سرمایہ کے ذریعے ہی اپنی مقدار میں اضافہ کرسکتا ہے لہٰذا سائنس، ٹیکنالوجی اور سرمایہ داری کے مثلث کے بغیر سائنسی ترقی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ چونکہ ٹیکنالوجی پر بھاری سرمایہ کاری کرنا پڑتی ہے لہٰذا سرمایہ کار صرف ان شعبوں میں ٹیکنالوجی پر سرمایہ کاری کرتا ہے جہاں سے وہ بھاری منافع حاصل کرسکے۔ اس کے نتیجے میں سائنس کے افق بڑھنے کے بجائے سکڑ رہے ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی صرف سرمایہ داری کے بہترین خدمت گزار بن گئے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری طب، آلات حرب و ضرب، تفریحات اور تعیّشات فسق و فجور کی صنعتوں میں ہورہی ہے۔ جس کا علمی نام میڈیکل ٹیکنالوجی انفارمیشن ٹیکنالوجی ہے۔ جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو اس حال تک مادیت پرستی کے مغربی فلسفے نے پہنچایا تھا۔ پہلے پہل سائنس مغربی فکر و فلسفے کے آلہ کار کے طور پر کام کر کے اس کے آدرشوں کی تکمیل کررہی تھی لیکن انیسویں صدی کے بعد

سائنس فلسفے سے الگ ہوگئی اور اب وہ خود ایک علم بن چکی ہے حالانکہ دنیا کی تاریخ میں سائنس اور فلسفہ میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ دنیا کا پہلا فلسفی تھیلس سائنس دان بھی تھا۔ تھیلس کے فلسفے اور سائنس کا مقصد حقیقت مطلق تک رسائی تھا وہ نہیں جو آج کی سائنس اور فلسفے کا محور و مرکز ہے کہ دنیا کی زندگی کو کس طرح خوبصورتی سے بسر کیا جائے اور زمین کو جنت بنا دیا جائے۔ تمام بڑے بڑے سائنس داں فلسفی تھے۔ لیکن بیسویں صدی میں صرف سائنس داں پیدا ہو رہے ہیں یہ سائنس دان فلسفی نہیں ہیں لہٰذا سائنس کی سمت، اہداف مقرر کرنے والا کوئی عامل باقی نہیں رہا، اس پر نقد کرنے والا کوئی ادارہ اس سے وابستہ نہیں رہا لہٰذا جدید سائنس جو اول دن سے آزادی کی قدر پر اپنے وجود کا اظہار کر رہی تھی اب بے مہار ہوگئی ہے اور اس کے پیدا کردہ خطرات کا ازالہ مشکل ہوگیا ہے۔ اس جدید سائنس کی اسلامی صورت گری ممکن ہی نہیں البتہ عارضی طور پر دفاعی ضرورت کے پیش نظر اس سے کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

جدیدیت پسندوں کے نقطۂ نظر سے عروج تو صرف اور صرف سائنس سے ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پہلے ان گنت دولت جمع کرلیں۔ اس دولت کو جمع کرنے کا موقع اب مغرب تو آپ کو نہیں دے گا۔

کیا زوال سے نکلنے کا راستہ نہیں ہے؟

اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاس زوال سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ زوال ہی ان کا مقدر ہے کیوں کہ تاریخ کا سفر ختم ہوگیا ہے اب مغرب کا فکر و فلسفہ اور اس کا طرز زندگی ہی آخری سچ ہے۔ لہٰذا اسلام سے دست بردار ہو کر مغرب کو اختیار کرلیا جائے۔ ہمارے مذہبی جدیدیت پسند مفکرین اصلاً یہی بات کر رہے ہیں لیکن استدلال یہ ہے کہ مغرب اور اسلام میں صرف کلمے کا فرق ہے۔ ان حالات میں ہمیں قرآن کے قصص کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن عروج و زوال کا کیا پیمانہ دیتا ہے؟ اگر پورا یورپ مسلمان ہوجاتا امریکہ مسلمان ہوتا تو کیا آج مسلمانوں کو یہ دن دیکھنے پڑتے، مسلمانوں کا زوال یہ نہیں تھا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے بلکہ ان کا اصل زوال یہ تھا کہ انھوں نے دعوت دین کا اصل سبق جس کے نتیجے میں کفار دائرہ اسلام میں جوق در جوق اور شوق در شوق داخل ہو سکتے تھے جسے قرآن نے فی دین اللہ افواجاً کہا اس سبق کو جان بوجھ کر فراموش کر دیا لہٰذا آج خود فراموش شدہ تاریخ ہیں مسلمان کا بنیادی کام اللہ کے پیغام کو عام کرنا اور روحانیت کے ذریعے اپنے طرز عمل سے لوگوں کو دائرہ دین میں داخل کرنا ہے، دنیا محض ضرورت ہے لہٰذا حسب ضرورت حاصل کرنا بھی ضروری ہے لیکن تمام توانائیوں کا ہدف صرف دنیا نہیں ہے۔ لوگوں کو مارنا ہی مقصد زندگی نہیں ہے بلکہ اپنے مقصد کے لیے مرنا، جان دینا اور خون کی شہادت تحریر کرنا بھی زندگی کا لازمی سبق ہے۔

مسلمانوں کا زوال: عروج کی غلط تشخیص

مسلمانوں کے طرز زندگی میں آخرت کو مرکزی مقام حاصل ہے جب یہ مقام پس پشت ہوا اور فتوحات، قصرۃ الزہرہ، باغات، محلات، مقبرے زندگی کا مقصد بن گئے تو مسلمان قبرستان کی اذان ہوگئے، آج بھی ہم مادیت پرستی کے طریقوں میں مبتلا ہیں۔ مغرب کی نقل کر کے اسے شکست دینا چاہتے ہیں انبیاء کا طریقہ کیا ہے؟ دین انبیاء کے طریقے سے غالب ہوگا خواہ یہ طریقہ ہمیں پسند ہو یا نہ ہو۔ حضرات انبیاء کرام موسیٰؑ، نوحؑ، محمدؐ، شعیبؑ، لوطؑ، کے اپنی قوم سے مکالمے پڑھ

لیجیے ایک ہی پیغام ہے جو تمام چیزوں کا احاطہ کرتا ہے، دعوت دین اور غلبہ دین محض اسی طریقے سے ہوگا۔ انبیاء بھی اسی طریقے کے مطابق دعوت کا کام کرنے کے پابند تھے۔

عروج کا راستہ: انبیاء نے سائنس دانوں کی آرزو کیوں نہ کی؟

اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدّل کرلوں۔ میں تو بس وحی کا پیرو ہوں۔ (سورہ یونس، آیت ۱۵)

اپنے شریکوں کو لے کر متفقہ فیصلہ کرلو جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے پھر میرے خلاف عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہ تھا کوئی مانے یا نہ مانے میں خود مُسلم بن کر ہوں۔ (سورہ یونس، آیت ۷۲)

اے نبیؐ اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔ (سورہ الرعد، آیت ۳۷)

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیا وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں لہذا تو ان لوگوں کے دلوں کو ان کا مشاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ اے میرے پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی ایسے لوگ اُٹھا جو یہ کام کریں۔ (سورہ ابراہیم، آیت ۳۷۔۳۸۔۴۰) [پیغمبر نے اپنی اولاد میں سائنٹسٹ اور ٹیکنالوجسٹ پیدا کرنے کی دعا نہیں کی لیکن آج کل عالم اسلام کی یہی دعا ہے کہ غیب سے اسے سائنس داں مل جائے تو تقدیر بدل جائے یا کوئی بریف کیس میں مغرب کے تمام سائنسی راز چرا کر لے آئے جب کہ راز چرا لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا کیونکہ تجربات کے لیے وسیع و عریض تجربہ گاہیں درکار ہیں لہٰذا راز راز نہیں رہ سکتا۔]

تمہیں قرآنِ عظیم عطا کیا ہے۔ تم اُس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر اپنا دل کُڑھاؤ۔ (سورہ حجر، آیت ۸۸)

اے نبی ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۳۔۷۴)

اے نبی تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنا دو کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردوبدل کرو گے تو اس سے بچ کر بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے۔ اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو۔ (سورہ الکہف، آیت ۲۷)

کیا مذہبی معاشرہ مہلک ہتھیار ایجاد کر سکتا ہے؟

قرآن کی یہ آیات اس طریقہ کار کا تعین کرتی ہیں جس کے ذریعے امت کو دنیا میں عروج مل سکتا ہے حق پر ایمان حق پر قیام اور حق کے لیے جان دینا۔

ضروریات کے تحت مجبوریوں کے تحت بہت سی چیزیں اختیار کی جاتی ہیں کی جاسکتی ہیں ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں لیکن وہ مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک عارضی وقتی مرحلہ ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جوہری طاقت حاصل کرنا اب مجبوری ہے کیوں کہ دشمن اسے ایجاد کر چکا ہے۔ مجبوری میں اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کوشش اسی بات کی ہوگی کہ مہلک جوہری ہتھیاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے خواہ محبت سے خواہ طاقت سے۔ اس کے بنانے والوں کو فساد فی الارض کے جرم میں عبرت ناک سزا دی جائے اور انھیں نمونہ عبرت بنا دیا جائے لیکن اس کے لیے نعرے بازی اور ہنگامہ آرائی کی اجازت نہیں اس کا طریقہ وہی ہے جو قرآن کریم نے قصص انبیاء کے ذریعے امت پر قیامت تک کے لیے واضح کر دیا ہے۔

زوال کی اصل وجہ: جاہلیت سے ناواقفیت

ہر وہ تحریک اور فرد جو علم، عمل، کردار اور یقین کی دولت اور جاہلیت کی حقیقت سے واقفیت کے بغیر مغرب کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے گا اسے عبرت ناک شکست ہوگی۔ حضرت عمرؓ کا قول آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں بکھیر دے گا کہ جس نے اسلام میں نشو و نما پائی اور جاہلیت کا علم حاصل نہ کیا۔ جدیدیت پسند مفکرین کا المیہ یہی ہے کہ انھوں نے مغرب جیسی جاہلیت خالصہ کا علم حاصل کیے بغیر اس کی تائید و توثیق کر کے اسلام کی کڑیاں بکھیر دیں۔ امت کے علماء و صلحاء نے اس عمل کو اپنی محنتوں سے روک دیا ہے لیکن اب بعض علماء بھی اس عمل میں شریک ہو رہے ہیں۔ یہ علماء انگریزی بہت اچھی جانتے ہیں لیکن مغرب کے علوم فلسفے وغیرہ سے قطعاً ناواقف ہیں یہ خطرناک معاملہ ہے دین کے اصل محافظ علماء ہی ہیں وہی اس کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ مغرب کو جانے بغیر اور سائنس و سوشل سائنسز کی تاریخ سے واقفیت کے بغیر مغرب کی غیر علمی تائید خطرناک عمل ہے۔

اسلامی بینک کاری: جاہلیت سے ناواقفیت

جاہلیت کی حقیقت سے ناواقف یقیناً دین کو تباہ کر دے گا، مغرب سے واقفیت کے بغیر مغرب کی تائید و توثیق امت کی تباہی کا عمل ہے، اس کی واضح مثال اسلامی بینکاری ہے جو دراصل سودی بینکاری ہے اور اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ یہ کیسی اسلامی بینک کاری ہے جو نئی گاڑیوں کے لیے قرضے فراہم کرتی ہے، پرانی گاڑیوں کی خریداری کے لیے قرضے مہیا نہیں کرتی۔ یہ بینکاری اونٹ، گھوڑے اور خچر کی خریداری کے لیے قرضہ نہیں دیتی کیوں کہ اس میں منافع بہت کم ہے۔ گاڑی کے لیے قرضے مضاربہ مشارکہ کے نام پر دیتی ہے لیکن انشورنس کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اپنے مال کو ہر قسم کے خطرات سے تحفظ دے کر مال سے مال کمانا یہی تو سود ہے۔ اسلامی بینکاری مسلمانوں کا معیار زندگی مصنوعی طریقے سے بڑھانے کے لیے انھیں قرضے مہیا کرتی ہے جب کہ اسلامی تہذیب و تمدن اور تاریخ میں بلا کسی شرعی عذر کے قرضے لینے کی ممانعت ہے۔ خاتم المعصومینؐ کا ارشاد گرامی ہے کوئی شخص خواہ کتنی ہی بار زندگی پائے اور خدا کی راہ میں جہاد کر کے جان دیتا رہے مگر وہ جنت

میں نہیں جاسکتا اگر اس پر قرض ہو اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو یہ حدیث اسلامی بینکاری کے تمام جھوٹے دعووں کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے۔ یہ کیسا اسلام ہے جو اس طرز زندگی، طرز تعیش اور طرز معیشت و معاشرت کی طرف دعوت دے رہا ہے جس میں مبتلا شہید جنت کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسلامی بینکاری جنت میں بھیجنے کا زاد سفر مہیا کرنے کے بجائے جہنم میں لے جانے کے قطعی اور حتمی انتظامات کر رہی ہے کیونکہ وہ کسی مقروض کا قرضہ معاف کرنے کی قائل نہیں ہے اور کسی کو معافی دے کر جنت میں پہنچانے پر تیار نہیں ہے۔

قرضوں کی معیشت: نیا اسلام

رسالت مآب صلعم نے مقروض صحابی کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا اور شہید کے بارے میں کہا کہ اگر وہ مقروض ہے تو جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ قرضوں پر استوار کیا جانے والا طرز زندگی غیر اسلامی بلکہ کافرانہ طرز زندگی ہے جس کا مقصد اپنی حیثیت سے بڑھ کر آسائش دنیا حاصل کرنا، اس میں مگن رہنا اور شب و روز قرضے ادا کرنے کی فکر میں مبتلا ہو کر سرمایہ داری کا کل پرزہ بن جانا ہے۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا سادگی ایمان کا اثر ہے آپ کی پوری زندگی سادگی سے عبارت تھی۔ ''الفخر فقری'' آپ کا لقب ہے۔ اس پیغمبر کے امتی قرضوں اور سود پر مکان، دکان اور گاڑیاں خرید کر اسلامی تہذیب و تمدن کو تباہ کر رہے ہیں یا اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیادوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ اسلامی بینک کاری کے نام پر قرضوں کے ذریعے اسلامی تہذیب کی اقدار و روایات کو تباہ کر کے اسے مغربی سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے اور عالم اسلام پر مجموعی سکوت طاری ہے۔

اسلامی بینک کاری: مقروض کے لیے کوئی مہلت نہیں

قرضہ لینے والا اگر قسط مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے تو دو تین ہزار روپے جرمانہ ادا کرنا ہوتا ہے جب کہ رسالت مآبؐ کا حکم ہے کہ قرض دار کو مہلت دو، مہلت دو مہلت دو نرمی برتو اور ممکن ہو تو معاف کر دو۔ اسلامی بینک کاری ارشاد رسالت مآبؐ کو مسترد کرتی ہے اور دلیل یہ دیتی ہے کہ بجلی گیس کے بل کی ادائیگی پر جس طرح اضافی رقم لی جاتی ہے یہ رقم بھی اسی کی شکل ہے۔ ان بینکوں کے شرعی مشیر بجلی گیس کے واجبات اور قرضے میں موجود فرق بھی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس اہلیت کے ساتھ مغربی معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ اسلامی بینکاروں کے مشیروں کی یہ رائے ارشاد رسالت مآبؐ کے انکار پر مبنی ہے۔ جدیدیت اسی طرح اسلامی معاشروں میں سرایت کرتی ہے۔ اسلامی بینکاری سرمایہ دارانہ اور سودی نظام کی مذہبی صورت ہے۔

الائنس موٹرز کا کاروبار بھی حلال قرار دیا گیا تھا:

مصر کے جید علماء نے اسلامی بینک کاری کا زبردست محاسبہ اور محاکمہ کیا ہے اور اسے سودی نظام قرار دیا ہے۔ پاکستان میں بھی علماء نے اس کو سرمایہ دارانہ نظام کا کل پرزہ کہا ہے لیکن علماء کی غالب اکثریت اس مسئلے پر خاموش ہے کیوں کہ وہ ان مباحث سے واقف نہیں ہے لہٰذا اسلامی بینک کاری کے حق میں اور اس کے خلاف لکھے گئے مقالات کا تقابلی مطالعہ کر کے کوئی رائے اخذ نہیں کر سکے۔ اسلامی بینکاری کے اسلامی ماہرین معیشت کے بنیادی مباحث سے بھی ناواقف ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کاروبار کیسے ہوتا ہے؟ فطری اور غیر فطری شرح منافع کیا ہوتی ہے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہی

ماہرین اسلامی اقتصادیات نے الائنس موٹر کے کاروبار کو حلال قرار دیا اور ان کے فتویٰ کے نتیجے میں لاکھوں رزق حلال کمانے والوں نے یہاں سرمایہ کاری کی، لاکھوں شرفاء کا روپیہ ڈوب گیا لوگوں نے اپنے گھر بیچ کر یہاں پیسہ لگایا، دنیا میں کوئی ایسا کاروبار نہیں ہے کہ آپ آج روپیہ لگائیں اور اگلے مہینے سے آپ کو معقول منافع ملنے لگے۔ یہ سٹہ اور جوئے کی ایک قسم تھی کہ لوگ پیسہ لگا کر منافع وصول کرتے تھے اور منافع خرچ کرنے کے بجائے دوبارہ کاروبار میں لگا دیتے تھے۔ الائنس موٹر نے تمام جائیدادیں کمپنی کے نام پر نہیں ڈائریکٹروں کے بیوی بچوں وغیرہ کے نام پر بنائیں، ان کا کوئی کاروبار نہ تھا، کارپوریٹ لاء اتھارٹی میں ان کا اداشدہ سرمایہ صرف چند سو روپے تھا۔ یہ صرف ادھر سے پیسہ لے کر ادھر دیتے تھے، اس جعلی کاروبار کی توثیق بھی ہمارے بعض سادہ لوح علماء نے کی کیونکہ معیشت سے وہ قطعاً ناواقف تھے، غالباً مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی الائنس کے کاروبار کی توثیق کی تھی۔ اس کاروبار سے متعلق حاجی عثمان صاحب کی خانقاہ بھی ایک الگ باب ہے۔

پاکستان میں اسلامی بینکاری:

بینکاری عیسائیوں کی نہیں یہودیوں کی ایجاد ہے اس کے تانے بانے اسلامی تاریخ میں ڈھونڈے جا رہے ہیں رسول اللہ اور صحابہ کرام کو بینکار کہا جا رہا ہے۔ اسلامی تاریخ میں بینکاری نہیں اپنا معاشی نظام تھا یہ ہماری تاریخی پستی ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔

اسلامی بینک کاری کوئی نظام نہیں یہ سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ ہے اس ملک میں اسلامی بینک کاری کے بانی عشرت حسین گورنر اسٹیٹ بینک ہیں جنھوں نے قوانین منظور کیے جس سے اسلامی بینک کاری اس ملک میں جائز ہوئی اسلامی بینکاری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزو ہے کلیدی زری ادارہ جس کے گرد دوسرا نظام زر مرکزی صف بندی کرے گا وہ مرکزی بینک ہے۔

جسٹس تنزیل الرحمان رپورٹ: بہترین خاکہ:

بینک کاری کو اسلامی قرار دینے والوں نے زر کی ایجاد اور زر کی تعمیر کا وہ طریقہ جو سرمایہ دارانہ نظام میں موجود ہے اسے من وعن قبول کرلیا اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۷۹ء میں جو رپورٹ دی تھی اس میں صریحاً اسلامی بینکاری کی مخالفت کی گئی تھی جسٹس تنزیل الرحمان نے اسلامی بینک کاری کی نجی شعبہ میں قیام کی مخالفت کی اور پورے نظام زر و مالیات کو اسلامیانے کا حکم دیا کیوں کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ مرکزی بینک کے بغیر غیر سودی بینکاری ممکن نہیں ہے اس وقت تمام بینک قومی ملکیت میں تھے کوئی بینک انفرادی کام نہیں کر رہا تھا لہٰذا جو خاکہ بنایا گیا تھا وہ ایک پورے اسلامی مالیاتی نظام کا خاکہ تھا۔ جسٹس تنزیل الرحمان کی زیر نگرانی بینکاری کی تیار کردہ رپورٹ سرمایہ دارانہ نظام کا ضمنی حصہ نہ تھی بلکہ ملک کے تمام نظام زر کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اسے سودی معیشت سے پاک کرنے کا مکمل خاکہ پیش کرتی تھی۔

جسٹس تقی عثمانی: برطرفی

۲۰۰۱ء ہی میں مولانا تقی عثمانی کو شریعت اپیلیٹ سے اس لیے نکال دیا گیا کہ حکومت اس خاکے کو نافذ نہیں کرنا چاہتی تھی جو جسٹس تنزیل کی رپورٹ اور سودی نظام کے مکمل خاتمے سے متعلق شرعی عدالت کے فیصلے سے سامنے آیا تھا شریعت کورٹ نے حکم دیا تھا کہ پورا خاکہ نافذ ہو جسٹس عثمانی کو نکالے بغیر اس حکم کو بدلا نہیں جا سکتا تھا لہٰذا عدالت سے

انھیں برطرف کیا گیا پھر اس کے بعد اسلامی بینک کاری کا متبادل نظام آیا اور تقی عثمانی صاحب نے اس کی تائید فرمائی۔

مرکزی بینک: بلاسود بینکاری کے لیے ضروری:

اسلامی بینک کاری کا متبادل نظام اسلامی ریاست ہی قائم کرسکتی ہے اسلامی ریاست کے بغیر کوئی مرکزی بینک قائم نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے تسلط کے بغیر زر کو اس بنیاد پر تعمیر نہیں کیا جاسکتا جو اسلامی حکومت کو مطلوب ہو۔ اسلام کا نظام زر و مالیات نظام رسولؐ اللہ سے خلافت عثمانیہ تک موجود تھا ہم نے فنانس کے بغیر ایک ہزار سال تک زر کو تعمیر کیا ہے پوری دنیا پر حکومت کی ہے اگر علما کہیں کہ اسلام کا نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے یعنی علماء جو تاریخ کے محافظ ہیں اپنی تاریخ بھول گئے ہماری تاریخ میں سودی نظام ناممکن تھا آج علماء کہتے ہیں کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام نہ ہوتو اور کیا نظام ہو اس تاریخ سے منہ موڑنے کی عبرت ناک مثال ہے زری نظام مالیاتی نظام ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے سود کے بغیر چلایا۔

دنیا بھر میں سود کے بغیر متبادل معاشی نظام:

اسلامی بینک کاری کے بغیر غیر سودی نظام ہندوستان میں قائم ہے ہندوستان کی جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے اسلامی بینک کاری کے نظام کو قبول نہیں کیا اور متبادل طریقہ اختیار کیا جماعت اسلامی ہند نے ایک ارب روپے کا کاروبار اسی بنیاد پر شروع کردیا ہے دارالارقم ملیشیا نے اربوں ڈالر کا کاروبار اسلامی بینک کاری کے بغیر چلایا حزب اللہ لبنان اور حماس فلسطین کی تحریکوں نے اسلامی بینک کاری کے بغیر کاروبار مشارکت و مضاربت کے طریقے پر انجام دیا ہے۔ ہمارا نظام تمویل ایک ہزار سال تک خلافت میں نافذ رہا یہ کہنا کہ ہمارے پاس متبادل نہیں ہے صرف اور صرف سرمایہ داری و مغرب سے مرعوبیت کا شاخسانہ ہے۔ جس کا مقصد مغرب کی چاکری کرنا اور گنجائش نکالنا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہم اسلام کے لیے کوئی راستہ نکال لیں۔

اسلامی بینکاری پر امت کا اجماع ممکن ہی نہیں:

اسلامی بینک کاری پر امت کا اجماع نہیں ہے اسلامی بینک کاری کے معاملے میں آج تک شرائط اجماع پوری نہیں کی گئی ہیں لہٰذا یہ ایک مشکوک معاملہ ہے اسلامی بینک کاری پر نہ اجماع ہے نہ ہوسکتا ہے مصر کے جید علماء نے اسلامی بینک کاری کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ہے اسلامی بینک کاری میں ملوث ہونے والوں کو دغاباز کہا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے پاکستانی علماء سرمایہ دارانہ نظام سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اسلامی بینک کاری مصر میں مسترد شدہ نظام ہے اسے ستر کے شروع میں جمال عبدالناصر نے نافذ کیا اس کا نام ناصر سوشل بینک تھا جو آدھا جرمن اور آدھا مصری تھا۔ احمد النجات اس کے ناظم تھے۔ اخوان کے بہت سے لوگ اسلامی بینک کاری میں شامل ہوگئے اور فیصل اسلامک بینک قاہرہ میں بھی شامل ہوئے ۱۹۸۰ء کے بعد مصر کا بلاسودی بینکاری کا تجربہ شدید ناکام ہوگیا علماء نے اس کی شدید مخالفت کی لہٰذا لوگوں نے سرمایہ کاری ختم کردی لہٰذا ۱۹۷۰ کے آخر میں جہاں ۱۰ دس فیصد سرمایہ کاری تھا اب صرف ۳ فی صد سرمایہ کاری رہ گئی ہے علماء نے عوام کا اعتماد اس نظام پر متزلزل کردیا۔

عالم اسلام کے علماء: بلاسودی بینکاری کو حرام قرار دیا:

شیخ عبدالرحمان موسیٰ، شیخ فواد عالم، احمد عبدالکمال، سید احمد طنطاوی، مفتی اعظم مصر الازہر کے صدر نے سب

سے شدید فتویٰ دیا اور اسلامی بنک کاری کو فراڈ۔ دروغ گوئی قرار دیا یہ فتویٰ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا اس کی بنیاد پر مصر کے بینک کے گورنر نے استعفیٰ دے دیا اسلامی بینک کاری ناکام ہوگئی حکومت مصر کو سرمایہ کاری کرنا پڑی۔ مصر کے شیخ ابوصبو مجذوب احمد ابوالمجید وغیرہ نے بھی فتاوی دیئے اخوان المسلمین کے بیشتر لوگوں نے اسلامی بینکاری کے اداروں سے استعفیٰ دے دیا اور مصر میں اسلامی بینک کاری کے سودی تجربے کو ناکام بنا دیا۔

اسلامی بینک کاری کے خلاف ملائشیا کے استاد اسدی جماعت اسلامی ہند کے علماء نے کثرت سے فتاویٰ دیے ہیں۔

مفتی تقی عثمانی: مغربی فلسفہ معیشت سے ناواقف:

مفتی عثمانی صاحب اسلامی علوم کے بحر ذخار ہیں ان کی فکر و نظر راسخ العقیدہ ہے وہ نہایت متقی پرہیز گار زاہد عابد صوفی بھی ہیں لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب جدید اسلامی معیشت میں تین بنیادی غلطیاں ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت مفتی صاحب مغربی اور سوشلسٹ نظام سرمایہ و معیشت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ مغربی فلسفہ و معیشت سے عدم واقفیت کے باعث

[۱] حضرت مفتی صاحب نے آدم اسمتھ کے قانون رسد و طلب کو فطری قانون قرار دیا جبکہ یہ فطری قانون نہیں ہے بلکہ سرمایہ دارانہ معاشرے کی صف بندی سے نکلا ہوا جبری قانون ہے سرمایہ داری سے پہلے کسی غیر سرمایہ داری نظام میں طلب و رسد کے کسی قانون کا پتہ نہیں چل سکا لاتعداد مستشرقین نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں ہیں۔ تاریخ میں کہیں پتہ نہ چلا کہ لاء آف ڈیمانڈ وسپلائی کبھی موجود تھا۔ لیکن تقی عثمانی صاحب نے بغیر کسی سند تحقیق حوالے کے یہ تسلیم کرلیا کہ یہ فطری نظام ہے جو مغربی معیشت سے ان کی کاملاً ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد آئی ایم ایف نے معیشت کا جائزہ لیا اور بتایا کہ یہاں قیمتیں طلب و رسد کی بنیاد پر طے نہیں ہو رہی لہٰذا سرمایہ دارانہ معیشت کیسے نافذ کریں ادارتی صف بندی موجود ہی نہیں جس میں طلب و رسد کے قانون کا نفاذ ہو۔ سوویت یونین کا انہدام نوے کے عشرے میں ہوا دنیا کی اس نئی عظیم طاقت کے طول و ارض میں طلب و رسد کا قانون کام نہیں کر رہا تھا اور پوری ریاست اپنے قواعد و ضوابط کے تحت چلائی جا رہی تھی لیکن تقی عثمانی صاحب اس حقیقت سے بھی ناواقف ہیں اور اسمتھ کے قانون کو صرف روس میں ہی نہیں بلکہ اسلامی خلافت میں بھی جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ ان کی کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو مغرب اور روس کے نظام کا بالکل علم نہیں ہے۔

[۲] اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حصص کی قیمت کا تعلق ان اشیاء کی قیمتوں سے ہوتا ہے جو کسی کمپنی کی ملکیت میں ہوتے ہیں اگر حصص کا تعلق لاگت اشیاء کی قیمتوں سے ہے تو ایک سیکنڈ میں حصص کی قیمت پچاس گنا بڑھ جائے گی یہ کیسے ممکن ہے؟ میزان بینک کا شیئر تین گناہ بڑھ گیا کیا میزان بینک کا اثاثہ بھی حقیقتاً تین گنا بڑھ گیا حقیقت یہ ہے کہ حصص کے بازار میں قیمت سٹے کی بنیاد پر متعین کی جاتی ہے کمپنی کو وقف سے تشبیہ

دینا غلط ہے وقف کے حصص نہ بیچے جاتے ہیں نہ خریدے جاتے ہیں۔

۳] تقی عثمانی صاحب I.M.F کو دنیا کا مرکزی بینک تصور کرتے ہیں لہٰذا وہ تغیر زر کے پورے عمل سے اپنی مکمل ناواقفیت کا اعلان کرتے ہیں انہیں اتنی سادہ بات معلوم نہیں کہ IMF مرکزی بنک نہیں ہے اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت والا نے ابھی تک غور وفکر سے سرمایہ داری کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے اور حضرت بھول گئے کہ فکسڈ ریٹ آف ریٹرن کو جائز قرار دینے کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ شخصیت و معاشرت قائم ہوجاتی ہے۔

۴] مغرب کی اسلام کاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ مغرب میں ہے اب ہمیں اسلام کو مغرب میں سمونا ہے۔لہٰذا ضروری ہے علماء مغربی تہذیب ومعیشت کے اجزا پر نہیں کل پر فتویٰ لگائیں۔اسلام کو پورا نظام سمجھیں سرمایہ داری کے اجزاء کو شرعاً جائز نہ بنائیں اس سے اسلامی تحریکوں کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام، عالمی سرمایہ داری اور مغربی معیشت کو سمجھنے کے لیے معیشت کے مذہب کی مابعد الطبیعات کا سمجھنا ضروری ہے اس کے لیے بنیادی کتاب آدم اسمتھ کی THEORY OF MORAL SENTIMENTS ہے، جس میں سرمایہ داری کے مذہب کے عقیدے، نظریے کی علمی واخلاقی تشریح توجیہہ وتوضیح پیش کی گئی ہے۔المیہ یہ ہے کہ جدیدیت پسند مسلم معاشی مفکرین نے طلب ورسد کے نام نہاد ''قدرتی قانون کے فلسفے'' NATURAL LAW OF DEMAND AND SUPPLY کو بھی شریعت کے مطابق قرار دے دیا اور طلب ورسد کے تمام غیر ثقہ، غیر علمی، غیر حقیقی مغربی فلسفے جس پر سرمایہ داری کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ان مفکرین نے ان فلسفوں کو بھی جوں کا توں قبول کرلیا۔جب کہ تاریخی اور عملی طور پر طلب ورسد کا یہ قانون غیر فطری، غیر حقیقی ہے۔یہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا۔دنیا کی پوری تاریخ میں اس قانون کا کوئی سراغ نہیں ملتا حتیٰ کہ روسی ریاست میں بھی آئی ایم ایف روس کے زوال کے بعد اس قانون کے عملی اثرات تلاش کرنے میں ناکام رہی اور اسے حیرت ہوئی کہ اس قانون کے بغیر روس کی معیشت کیسے چل رہی تھی؟ دوسرے لفظوں میں مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ ان مفکرین نے سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفے، نظریے، اقدار، روایات، مابعد الطبیعات اور اساسات کو اسلامی نقطۂ نظر سے حرف بہ حرف قبول کرلیا ہے۔عصری تاریخ کا یہ سب سے بڑا حادثہ ہے کہ بعض علماء کی جانب سے سرمایہ داری کے فروغ کے لیے اسلامی تعلیمات کو زینہ بنادیا گیا ہے اور سرمایہ داری کے عالمی غلبے کو عقیدے مذہب دین کی سطح پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی جائے کہ دنیا کے کسی بینک میں نجی شعبے میں بلاسودی بینکاری ممکن ہی نہیں اور دنیا بھر میں بلاسود بینکاری کے نام پر کیے جانے والے تمام تجربات اپنی ماہیت، اصلیت، حقیقت اور حیثیت کے اعتبار سے فی الاصل سودی بینکاری کے منصوبے ہیں، جنکو خواہ مخواہ شریعت اسلامی کے نام پر مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔معیشت کی حقیقت سے واقف محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ بینکاری کے کاروبار کی بنیاد No Risk پر ہے۔بینک محفوظ منافع کے لیے کاروبار کرتا ہے، اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے مقررہ شرح سود پر روپیہ وصول کرکے اسے محفوظ طریقے سے زیادہ شرح سود پر محفوظ ہاتھوں میں پہنچادے اور حاصل شدہ سود سے ادائیگیاں کرے اور اپنے منافع میں

مسلسل اضافہ کرتا رہے۔ یہی طریقہ کار اسلامی بینکوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلامی بینکوں کو چلانے والے صرف منافع کے لیے کاروبار کرتے ہیں اور بینک کے محفوظ کاروبار میں سود کے بغیر منافع کا تصور ممکن نہیں یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنا مال فی سبیل اللہ وقف کردیں اس سے منافع حاصل نہ کریں اور اس سے بینک چلایا جائے۔ مگر ایسے اہل خیر ابھی سامنے نہیں آسکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی پوری تاریخ میں سود، سٹے، زر اور سرمائے کے بازاروں کا کوئی وجود نہیں تھا، اس کے لیے کہ یہ بازار جب بھی اور جہاں بھی وجود پذیر ہوں گے اور آزادانہ طور پر کام کریں گے وہاں صرف اور صرف سود کا کام ہوگا، سرمایہ داری کی بنیاد مسابقت کے خاتمے پر ہے اور مسابقت کو ختم کرنے کا ذریعہ زر اور سرمایہ کے بازار ہیں، لہٰذا سرمایہ دارانہ معیشت میں اشیاء کے بازاروں پر مصنوعی طریقے سے زر اور سرمائے کے بازاروں کو مسلط کردیا جاتا ہے، اس کے بغیر ارتکاز دولت وسرمایہ ممکن ہی نہیں، کیوں کہ ہر چیز محدود ہے، مگر سرمایہ اور زر لامحدود ہے، کیوں کہ یہ کوئی شے نہیں محض حرص وہوس کو عام کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس وقت سرمایہ دارانہ معیشت دنیا بھر میں OLIGOPOLY پر قائم ہے، جہاں چند ادارے، چند فرمیں، چند اشخاص سمجھوتوں کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین کرتے ہیں اور قیمتوں کا تعین ہرگز لاگت، عادلانہ منافع اور آزادانہ مسابقت کے ذریعے نہیں کیا جاتا۔ قیمتوں کے تعین کی بنیاد صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ منافع میں کس طرح زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً کراچی میں ایبٹ کمپنی Fiberad کے نام سے جو بھوسی (چوکر) فروخت کرتی ہے وہ عام بازار میں آٹھ روپے فی سیر دستیاب ہے مگر ایبٹ یہ بھوسی چھ سو اسی روپے فی کلو فروخت کرتی ہے اور سمجھوتے کے تحت کوئی اس قیمت کو کم کرنے کے لیے آواز بھی بلند نہیں کرتا۔ اس وقت امریکا میں صرف تین سو فرمیں ایسی ہیں جو وہاں پچھتر فی صد قیمتوں کو متعین کرتی ہیں۔ OLIGOPOLY کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ ۲۰۸ بلین لوگ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوگئے ہیں، کیوں کہ عادلانہ قیمتوں کے نظام کے خاتمے کے باعث لوگوں کی قوت خرید ختم ہوکر رہ گئی ہے، جبکہ پوری انسانی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انسان بنیادی ضروریات زندگی کے لیے محتاج ہوگیا ہے۔

قبل از تاریخ کے معاشروں میں حتیٰ کہ افریقہ کے قدیم ترین قبائل میں آج بھی غربت، فقروفاقہ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، لوگ بنیادی ضروریات زندگی آسانی سے حاصل کرلیتے ہیں، یہ صرف سرمایہ داری کا کمال ہے کہ اس نے بڑے بڑے آباد شہروں میں لوگوں کو خودکشی پر مجبور کردیا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں قیمتوں کا تعین سود، سٹے اور سرمائے کے بازاروں کے ذریعے کیا جارہا ہے۔ منی مارکیٹ، کیپٹل مارکیٹ، فنانشل مارکیٹ نے اشیاء کے بازاروں کو اپنے نرغے میں لے لیا ہے اور آزادانہ مسابقت کے تصورات، خواب وخیال کی کہانیاں بنتے جارہے ہیں۔ سرمایہ داری جو انفرادی ملکیت کے دعوے کے ساتھ چلی تھی اصلاً انفرادی ملکیت کا خاتمہ کرتی یہ اور اشخاص کے بجائے مسابقت کو ''اشخاص قانونی'' فرموں، بینکوں، اداروں کے درمیان محدود کردیتی ہے جن کا بنیادی وظیفہ زندگی صرف اور صرف سرمائے میں مسلسل متواتر اور مستقل اضافہ ہے۔

انفرادی ملکیت کے خاتمے کے ساتھ عصر حاضر کا انسان سرمائے کا غلام ہوگیا ہے، اس بات کو جانچنے کے لیے کہ انسان کی غلامی میں کس حد تک اضافہ ہوا ہے اور سرمایہ دارانہ نظم معیشت کی گرفت معاشرے اور عالم پر کس قدر مستحکم ہوگئی ہے اس کے لیے سٹے کا بازار کیپٹل مارکیٹ اہم ترین پیمانہ ہے۔ اس بازار کا وظیفہ ہے کہ وہ مختلف سرمایہ کاری کی حکمت عملیوں

کو اس طریقے سے ناپتا رہتا ہے کہ مجموعی طور پر بین الاقوامی سطح پر منافع میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہے۔ کیپٹل مارکیٹ کے اہم مراکز امریکہ، لندن، فرینکفرٹ، ٹوکیو کے اسٹاک ایکسچینج ہیں جہاں حصص مستقل خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ ظن، تخمین اور اندازوں پر داؤ لگائے جاتے ہیں۔ یہ خرید وفروخت اس یقین کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جو حصص خریدے جا رہے ہیں ان کی قیمتیں یقیناً بڑھنے والی ہیں اور جو حصص بیچے جا رہے ہیں ان کی قیمت گر رہی ہیں، سٹے کے بازار یا شیئر کے بازار میں تمام سرمایہ کاری رزق حلال کے لیے نہیں بلکہ بے پناہ منافع کے لیے ہوتی ہے کیوں کہ حصص یافتگان کی اصل دلچسپی ڈیوڈنڈ سے نہیں ہوتی بلکہ حصص کی بڑھتی چڑھتی قیمتوں سے ہوتی ہے۔ ڈیوڈنڈ پر ملنے والا منافع برائے نام ہوتا ہے۔ فارسی کی اصطلاح میں بات کیجیے تو ''بہ قدر اشک بلبل''۔ یہ منافع بھی سال کے آخر میں ملتا ہے۔ حصص پر اصل آمدنی روزانہ ہوتی ہے جب یہ غیر اسلامی طور پر سٹے کے ذریعے فروخت کیے جاتے ہیں، صبح جس حصص کی قیمت پچاس روپے ہوتی ہے شام تک دو سو پچاس روپے، دوسرے دن چار سو روپے اور تیسرے دن ستر روپے ہو جاتی ہے۔ کیا کمپنی کے کاروباری حجم میں دو تین روز کے اندر اس قدر زبردست اضافہ وسعت اور منافع ممکن ہے جس کے باعث حصص کی قیمتیں اتنی تیزی سے چڑھ رہی تھیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہو رہا تھا تو اچانک تیسرے دن حصص کی قیمتیں کم کیسے ہو گئیں؟ کیا کمپنی بند ہو گئی اصلاً ایسا نہیں ہوتا۔ گزشتہ دنوں اسٹاک مارکیٹ میں شرفاء کے تین کھرب روپے ڈوب گئے جنھوں نے حصص کو اسلامی کاروبار سمجھ کر اس میں پیسہ لگایا تھا۔

شیئرز کی قیمتوں کا تعین کمپنی کے اصل اثاثوں کی بنیاد پر نہیں ہوتا یہ محض ظن، تخمین اندازوں اور کمپنی کی قوت و طاقت کے بل پر ہوتا ہے، لہٰذا حصص کے بازار کی بنیاد صرف حرص و ہوس، نفع اندوزی اور سرمائے کی بڑھوتری کے عقیدے پر ایمان کے سوا کچھ نہیں ہے، لہٰذا حصص کا موجودہ کاروبار اور موجودہ بازار شریعت کی نظر میں حرام ہے، انھیں اسلامی جواز مہیا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ جواز دینے والے معاشی عمل، سرمایہ داری کے فلسفے اور معیشت کے نظام سے قطعاً ناواقف ہیں اور انہیں ان بازاروں کی حقیقت معیشت اور ماہیت کا کوئی علم نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کو تباہ کرنا ہمارے دین و ایمان کا مسئلہ ہے، مگر ہمارے بعض علماء اور بعض دینی مدارس جن کی تعداد میں آٹے نمک سے بھی کم ہے۔ اس نظام کو مسترد کرنے کے بجائے اس کو جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں اس دور کا فتنہ مال ہے اور سرمایہ داری کا مذہب بھی مال کو جمع کرنا ہے۔ عبادت معاملات، تعلقات اور روابط میں خلل اندازی کی بنیادی وجہ مال سے بے پناہ محبت ہے اور سود، سٹے، بینکنگ، حصص کے ذریعے انسان کی حرص و ہوس وحسد میں اضافہ سرمایہ داری کا بنیادی وظیفہ ہے۔ اگر ہم مال کے فتنے سے یا سرمایہ دارانہ معیشت سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو حرص وحسد کے نظام سے بغاوت کے بغیر ہم کوئی بنیادی تغیر برپا نہیں کرسکتے غلبہ دین کی کوئی حکمت عملی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی مخالفت نہ ہو لوگوں کی زندگی میں معاشرتی سطح پر روحانی تبدیلی لائے بغیر سرمایہ داری کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا اس وقت سرمایہ داری کے غلبے کی صورت حال یہ ہے کہ بڑے بڑے دین دار لوگ بھی اشیاء پر منہ مانگا منافع وصول کرتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں یہ حرص وحسد کے غلبے کی بدترین صورت حال ہے عادلانہ منافع نہ لینا دراصل اسلام سے نکل کر سرمایہ داری کے نظام کا حصہ بن جانے کا عمل ہے۔ جو اس عمل میں شریک ہے وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے۔

ساحل جنوری ۲۰۰۷ء

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ ہر فرد کے دو پیمانے ہوتے ہیں قرآن کے الفاظ میں ''لیتے وقت تمہارا پیمانہ کچھ اور ہوتا ہے اور دیتے وقت کچھ اور'' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کاروباری آدمی کوئی چیز خریدتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بیچنے والے سے کم سے کم قیمت پر خریدے اور اسے عادلانہ نفع سے بھی محروم کردے مگر جب یہی چیز صارفین کو بیچتا ہے تو اس کی کوشش اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس شے پر جو اس نے نہایت سستی حاصل کی مہنگی سے مہنگی بیچ کر زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ایک مسلمان کا یہ طریقہ کار اسوہ رسولؐ اور آیات قرآن کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ ''قرآن وسنت مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتے ہیں مومن کی تعریف یہ ہے کہ ''جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہ اپنے بھائی کے لیے پسند کرے''۔ اس بنیادی صفت کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا ہمارے معاشروں کے کاروباری، تجارتی اور صنعتی لوگ اس نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھیں تو ان پر سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت خود واضح ہو جائے گی۔

اگر ہم سرمایہ دارانہ نظام سے چھٹکارا چاہتے ہیں تو ہمیں نجی بنکاری نظام سے حصص سرمائے اور سٹے کے بازار سے چھٹکارا پانا ہوگا سودی کاروبار کے بغیر دنیا کا کوئی بینک نجی شعبے میں نہیں چل سکتا جب تک سرمائے اور زر کا بازار نجی سطح پر ختم نہ کر دیا جائے سودی نظام کا خاتمہ ناممکن ہے جس طرح امن عامہ حکومت کی ذمہ داری ہے اسی طرح زر کے بازار اور ترسیل زر کی ذمہ داری حکومت کی ہے زر کے بازار کو حکومت ختم کر سکتی ہے زر کے نظام کو اس طرح مرتب کیا جائے جس طرح ریاست امن عامہ کے نظام کو مرتب کرتی ہے بینکوں کو حکومت کے دفاتر میں تبدیل کر دیا جائے تو سودی بینکاری کا خاتمہ ممکن ہے اس کے بغیر نجی شعبے میں غیر سودی بینکاری کسی طور پر ممکن نہیں اس کی ہر شکل بالآخر سودی نظام میں تبدیل ہو کر رہے گی سرمایہ دارانہ اور سودی بندوبست کو محض ''کتاب الحیل'' کے ذریعے غیر سودی اور غیر سرمایہ دارانہ ثابت کرنے کا دوسرا مطلب یہی ہے کہ ہمارے بعض دینی زعماء نے مغرب کے فکر و فلسفے سے گہری واقفیت کے بغیر اور معیشت پر گہری نظر کے بغیر سودی بندوبست کو قبول کر لیا ہے یہ اقدام نہایت خطرناک ہے جس سے امت مسلمہ کا پورا تشخص خطرے میں پڑ جائے گا اس لیے آج عالمی مالیاتی استعماری اداروں کی سرپرستی میں ''غیر سودی بینکاری'' کو فروغ دیا جا رہا ہے اور عالمی مالیاتی ادارے مختلف اسلامی ماہرین اور علماء کو اپنے یہاں تقریریوں کے پروانے عطا کر رہے ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو اصل خطرہ صرف اور صرف امت مسلمہ سے ہے یہ خطرہ فی الحال حرکی نہیں مخفی ہے مگر وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ جب کبھی حرکت پذیر ہو گئی تو اس کا سودی نظام تباہ ہو جائے گا لہٰذا وہ امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ متفقہ عقیدے میں حیلہ سازیوں کے ذریعے سودی نظام، نظام بینکاری، زر سود اور سرمائے کے بازاروں اور سرمایہ دارانہ نظام کی خباثتوں کی اسلامی توجیہات تلاش کرنے میں کوشاں ہیں کیوں کہ جب اس امت میں اقداری اور روایتی سطح پر سود اور سرمائے اور زر کے خلاف قوت مزاحمت شریعت کے نام پر ختم کر دی جائے گی تو سرمایہ داری حرص وہوس کو عالمگیر غلبہ حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ درپیش نہیں ہوگی صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جو بازار، ریاست، حکومت، سرمایہ، زر کو روحانی اور اقداری و روایتی پابندیوں کا خوگر بناتا ہے جس سے سودی نظام کی جڑ کٹتی ہے اور سیکولرازم کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام بازار، ریاست سیاست حکومت سرمائے اور زر سے دین کو اہل دین کو علماء کو بے دخل کر کے انہیں حجروں میں مقیم کرنا چاہتا ہے۔ غیر سودی بینکاری کا منصوبہ عالمی بینک کا منصوبہ ہے جس کے ذریعے بلاسود بینکاری کے نام پر دنیا میں اس وقت تمام بینک سودی بینکاری کر رہے ہیں۔

ساحل جنوری ۲۰۰۷ء

یہ تجربہ سب سے پہلے جمال عبدالناصر نے مصر میں شروع کیا۔ اخوان المسلمین کے بے شمار لوگ اخلاص کے باعث اس نظام میں شریک ہوئے، لیکن جلد ہی ان پر حقیقت کھل گئی کہ اسلام کے نام پر سود کی کراہت ختم کرنے کا یہ عالمی بینک کا منصوبہ ہے لہٰذا وہ لوگ اس سے الگ ہوگئے بعد میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر چھاپرا، ڈاکٹر ضیاء الدین، ڈاکٹر فہیم خان، ڈاکٹر احسان رشید اور ڈاکٹر ارشد زمان نے اسلامی بینکاری کے منصوبوں کے کل پرزوں کی حیثیت سے کام کیا۔ اپنے اخلاص کے باوجود مغربی فکر و فلسفے سے واقف نہ تھے لہٰذا انھوں نے معیشت کو مغربی فکر کے تناظر میں ایک کل کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے ایک جزو کے طور پر دیکھا اور اسلامی قالب عطا فرمایا، بعد میں بہت سے جید علماء نے اس عمل کی غیر اسلامی بنیادوں کو واضح کیا۔ ورلڈ بینک، اسلامی بینکنگ کی حمایت اس لیے کر رہا ہے کہ وہ کروڑوں مسلمان جو سود کی وجہ سے بینکوں میں پیسے نہیں رکھتے ان کا سرمایہ زیر گردش آجائے اور ہر فرد کو سود کی لعنت میں بہ اکراہ نہیں بہ رضا و رغبت مبتلا کیا جائے اس مقصد کے لیے عام لوگوں کو تعیّشات زندگی کے لیے سستے قرضے دے کر سود کی کراہت ان کے دل سے ختم کی جارہی ہے اور مسرفانہ معاشرے کی بنیادیں اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے وسیع کی جارہی ہیں؟ عالمی بینک کے اس منصوبے کا سب سے بڑا فائدہ مغربی استعماری طاقتوں کو یہ پہنچا کہ ہر فرد کے سرمایے کا حساب کتاب بھی عالمی استعماروں کی زیر نگرانی آ گیا تاکہ ان خفیہ ہاتھوں کو تلاش کیا جاسکے جو عالمی اسلامی بیداری کی مختلف سطحوں، لہروں کی مختلف طریقوں سے مالی امداد کر رہے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں مسلمان جہاں بھی بڑی رقم بینک سے نکالتے ہیں اور کسی کاروبار میں نہیں لگاتے تو فوراً پوچھ گچھ شروع ہوجاتی ہے کہ رقم کس کو دی گئی؟ اس وقت سب سے زیادہ بینکاری کی صنعت میں منافع اور شرح افزائش میں اضافہ، نام نہاد سودی بینکاری کے کاروبار میں ہے۔ بلا سود بینکاری کے ذریعے سود کو عالمی بینک نے حلال ٹھہرا کر مسلمانوں کو سودی کاروبار کے ساتھ تعیّشات اور اپنی آمدنی سے زیادہ اخراجات کے سودی طلسمی دھندے میں مبتلا کر دیا ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ انتہائی دین دار لوگ غلط اجتہاد کے باعث سود پر گاڑیاں خرید رہے ہیں اور سود کی کراہت تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ ہر چیز معیار زندگی بلند کرنے کے لیے حلال ٹھہرائی جارہی ہے۔

سرمایہ داری کا المیہ یہ ہے کہ اس کی تاریخ شکست و ریخت رسوائی اور پسپائی کی تاریخ ہے سود، سرمائے اور زر کے بازاروں میں اسے مسلسل خسارے اور ناکامی کا سامنا ہے اور ہر خسارے اور ناکامی کو سنبھالنے کے لیے ریاست اس کی مدد کو آجاتی ہے پاکستان سے لے کر امریکا، جاپان، یورپ، جرمنی تک جب بھی اسٹاک مارکیٹ ختم ہونے لگتی ہے تو ریاست مارکیٹ کے اعتبار کو بحال کرنے کے لیے اس کے حصص کی خریداری کرتی ہے اور ریاستی سرمایہ کاری کے ذریعے اسٹاک مارکیٹ کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا جاتا ہے اگر سرمایہ زر ہی سب کچھ ہے اور وہ خود اپنی قیمت و قدر کا تعین کرتا ہے تو پھر ریاست اس کی سرپرستی کے لیے میدان میں کیوں اتر آتی ہے پھر آزاد منڈی کا فلسفہ کہاں رہ جاتا ہے دنیا بھر میں سود سٹے زر کا نظام صرف اور صرف ریاست کی سرپرستی میں ممکن ہے اگر آج ریاست سودی نظام اور سرمایہ دارانہ بندوبست کی حفاظت سے ہاتھ اٹھالے تو یہ سود، سٹے، زر کے بازار لمحوں میں منہدم ہوجائیں۔ چند ماہ قبل جب اسٹاک مارکیٹ بیٹھ گئی رزق حلال کی آرزو میں سرمایہ کاری کرنے والوں کے تین کھرب روپے ڈوب گئے تو ڈوبنے والوں کو کوئی بچانے نہیں آیا۔ حکومت کی جانب سے مصنوعی تیزی کو روکنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن جب اسٹاک مارکیٹ بیٹھ گئی تو فوراً سرکاری مداخلت ہوئی اور سرکاری اداروں

نے اپنا سرمایہ اسے اٹھانے کے لیے لگایا جس کے نتیجے میں لوگوں کی بچتوں پر مشتمل NIT وغیرہ جیسے اداروں سے لے کر حصص خریداری کی گئی یعنی اصل مقصد سرمایہ دار کا تحفظ ہے اوراس تحفظ کے لیے پیسہ عام آدمی کا استعمال کیا جارہا ہے۔ اگر اسٹاک مارکیٹ آزادانہ طور پر بیٹھ گئی تو خود اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکتی تھی۔ اسٹاک ایکسچینج کے بیٹھنے سے معیشت میں کیا تغیر برپا ہوگیا؟ دو تین سو سال پہلے جب اسٹاک ایکسچینج نہیں تھے لوگ تب بھی کارخانے لگاتے تھے، کاروبار کرتے تھے، اسٹاک ایکسچینج کو فطری ادارہ سمجھنا دراصل اسلامی تاریخ اور مغربی فکر سے ناواقفیت کا شاخسانہ ہے۔ پاکستان میں اسٹیٹ بینک فروغ سرمایہ داری کے لیے کام کرتا ہے اسٹیٹ بینک مانیٹری پالیسی (زری حکمت عملی) کا محافظ ہے اس حکمت عملی کے مقاصد قیمتوں کا استحکام اور رفتار نمو میں اضافہ ہے زری پالیسی سرمایہ دارانہ نظام کو محفوظ و مضبوط کرنے کا آلہ ہے سرمایہ داری کو سب سے اہم خطرہ یہ ہے کہ اگر قیمتوں میں مسلسل اضافہ یا مسلسل کمی ہو تو لوگ اپنے وعدوں کا ایفاء نہ کرسکیں گے زر کے بازاروں میں صرف اسٹیٹ بینک اور صرف کمرشل بینکوں کے مابین معاملات طے نہیں پاتے بلکہ کمرشل بینک روزانہ کاروبار بند ہونے سے قبل قواعد کے تحت ۳۰ فی صد محفوظ زر کی سطح کو برقرار رکھنے کے پابند ہوتے ہیں اس قاعدے پر عمل درآمد کے لیے کمرشل بینک ایک دوسرے سے روزانہ قرضے لیتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بینکوں کے مابین قرضوں کا مستقل نیلام ہوتا رہتا ہے قرضوں کے نیلام کی ایک شکل ٹریژری بل ہیں جو اسٹیٹ بینک جاری کرتا ہے اور بینک ایک دوسرے سے یہ بل مختلف شروح منافع پر خریدتے اور بیچتے رہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام میں ادائیگیوں کو واجبات کے مطابق کرنے کے لیے قیمتوں کا مستحکم رہنا بہت ضروری ہے یہ سرمایہ داری کا تقاضا ہے توازن ادائیگی کو برقرار رکھنے کا دوسرا نام مانیٹری پالیسی ہے جو واجبات اور مطالبات کے مابین توازن برقرار رکھتی ہے تاکہ سودی بینکاری بحران کا شکار نہ ہو جس کا خطرہ ہمہ وقت موجود رہتا ہے اسٹیٹ بینک دراصل تجارتی بینکوں کو مستقل رسد اور مدد فراہم کرتا ہے یہ وعدے صرف اور صرف بینکوں کے منافع میں اضافے کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا اسٹیٹ بینک کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ تجارتی بینک اپنے منافع میں مستقل اضافہ کرتے رہیں لہٰذا ہمارا مرکزی بینک دراصل تجارتی بینکوں کا خادم اور غلام بن جاتا ہے اس کی خدمت کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ تجارتی بینک اور سود و سٹے کا کاروبار بحران کا شکار نہ ہو مستقل منافع میں رہے لہٰذا اسٹیٹ بینک اور زری پالیسی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ سودی نظام ختم کردیں گے ایک احمقانہ توقع ہے کیوں کہ موجودہ نظام میں اسٹیٹ بینک، ریاست اور حکومت کا ٹریژری بلز اور زری پالیسی کا بنیادی کام ہی یہی ہے کہ سودی کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے اسے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنایا جائے اس لیے اہل دین کا مطالبہ صرف اور صرف یہ ہونا چاہیے کہ بینکاری کا نظام ختم کردیا جائے کیوں کہ بینکاری کا نظام خلق کی فلاح و بہبود کے لیے نہیں بلکہ منافع درمنافع کمانے کے لیے ہے اس لیے ہمیں یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ حکومت بینک چلائے، بینک منافع کمانے کا ذریعہ نہیں ہیں زر کا کاروبار ناجائز اور حرام ہے۔ سود، سٹہ اور سرمائے کے بازار جنھیں کیپٹل اور فنانشل مارکیٹ کہا جاتا ہے یہ سب حرام ہیں اور سود کو فروغ دیتے ہیں لہٰذا انھیں ختم کردیا جائے کسی اسلامی بینک، نجی بینک، غیر سودی بینک کا کوئی تصور نجی شعبے میں عملاً اور علماً ممکن ہی نہیں ہے ہر اسلامی بینک دراصل سودی نظام کا تابع مہمل ہے یہ بینک سرمایہ دارانہ نظام میں کسی قسم کی دراڑ نہیں ڈال سکتا اس کے برعکس بعض مسلم مصلحین یہ کہتے ہیں کہ اسلامی بینک بناؤ دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری کو اسلام کا قالب عطا کردو دنیا کا کوئی بینک بھاری رقومات بطور قرضہ نہیں

دیتا کیوں کہ اسے خطرہ ہوتا ہے کہ سرمایہ ڈوب نہ جائے لہٰذا وہ منی مارکیٹ اور کیپٹل مارکیٹ کو خلط ملط کر کے اسٹرکچرل فنانس کرتے ہیں جس سے سود اور سٹے کا بازار ملحقہ ہے قرضوں کی اصل رقم معلوم کرنا اس نظام میں ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ تمام قرضے اسٹرکچرل فنانس کے ذریعے دیے جاتے ہیں لہٰذا ہر وہ کاروبار سرمایہ، زرصرف اور صرف سودی ہے جو منی مارکیٹ اور کیپٹل مارکیٹ سے تعلق رکھتا ہے اس میں اسلام کی پیوند کاری حماقت ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ زر کا بازار اور سرمائے کا بازار ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہیں حصص کے بازار کے نام پر ہمارے مصلحین سود سٹے کے عجیب وغریب اسلامی جواز ڈھونڈ رہے ہیں مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حصص لینے والا کمپنی کے سالانہ اجلاس عام میں ہاتھ اٹھا کر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے اگرچہ اس کی آواز مسترد ہو جائے اور میرے نزدیک آواز اٹھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی جو سالانہ میٹنگ ہوتی ہے اس میں یہ آواز اٹھائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے سودی لین دین پر راضی نہیں اس لیے اس کو بند کیا جائے ایسی صورت میں وہ انسان اپنی ذمہ داری پوری کر دیتا ہے۔'' اس رائے میں پوری نیک نیتی کے ساتھ سرمایہ دار معیشت اور سودی نظام و بندوبست کو جس طرح اسلامی جواز عطا کیا گیا ہے وہ ایک خطرناک صورت حال ہے اس مشورے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا کو حصص کے بازاروں کے کام کرنے کے طریقے سے مکمل واقفیت بھی نہیں ہے مثلاً وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ شیئرز Physcaly آتے ہی نہیں ہیں سرمایہ داری کے نتیجے میں طبعی قبضہ ''فزیکل پزیشن'' ختم ہو جاتا ہے Actual Transaction ہوتا ہی نہیں ہے حصص میں ساری سرمایہ کاری حاضر سودوں اور غائب سودوں اور ظن تخمین اندازوں وسوسوں، آرزؤں، خواہشات اور تمناؤں کے بل پر ہوتی ہے ایکویٹی مارکیٹ یا اثاثوں کے بازار میں کوئی شے ذاتی ملکیت نہیں رہتی سب سرمائے کی ملکیت بن جاتی ہے اصل مالک سرمایہ ہوتا ہے کمپنی بازار میں حصص فروخت کے لیے پیش کر کے بازار سے روپیہ حاصل کرتی ہے اس پر انھیں سود دیتی ہے ایک قیمت حصص کی شائع شدہ ہوتی ہے یہ Nominal Price کہلاتی ہے مگر جب وہ قیمت فروخت ہوتی ہے تو وہ بہت زیادہ ہوتی ہے اثاثوں کے بازار میں ایک اصل قیمت ہوتی ہے دوسری بازار کی قیمت جو اصل سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اس نئی قیمت کا کمپنی کی املاک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا حصص کی قیمت کا تعین کمپنی کی املاک، اثاثے اور کاروبار نہیں کرتے بلکہ لوگوں کی توقعات کرتی ہیں کہ کمپنی کیا منافع کما سکے گی اس لیے شیئر کا کام صرف سٹے اور تخمینے کا کام ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت وحقیقت بھی نہیں شیل کمپنی کا شیئر خریدنے والا کمپنی کی ملکیت خریدنے یا اس میں حصہ دار کی حیثیت سے شریک ہونے کے لیے شیئر نہیں خریدتا بلکہ وہ اس شیئر پر زیادہ سے زیادہ نفع کمانا چاہتا ہے شیئر خریدنے والا نہ کمپنی کے صدر کو جانتا ہے نہ اس کے دفاتر کا اسے علم ہوتا ہے نہ وہ اس کے اثاثے اور املاک سے واقف ہوتا ہے اور نہ وہ صرف ڈیوڈنڈ کے لیے شیئرز خریدتا ہے وہ شیئر اس لیے خریدتا ہے کہ خریدے گئے شیئر کے دام چند روز میں یقیناً اوپر چلے جائیں گے اور اسے بھاری منافع حاصل ہو جائے گا شیئرز کی قیمتیں محض اندازوں پر بڑھتی گھٹتی ہیں کمپنیوں کے حصص کی مالیت کا تعین کمپنی کے اثاثے واملاک نہیں کرتے بلکہ بازار میں اس کے اعتبار کے باعث متعین ہوتے ہیں لوگ بازار حصص میں معمولی منافع کمانے کے لیے نہیں بلکہ Capital Gain کے لیے آتے ہیں۔ شیئرز کے کاروبار میں ڈیوڈنڈ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ Capital Gain سٹے کے بغیر ممکن نہیں کوئی آدمی حصص خرید کر روک نہیں لیتا روزانہ بازار میں

لاکھوں حصص خریدے اور بیچے جاتے ہیں ہر روز اربوں روپے کے سودے کا تعلق کمپنی کے اصل اثاثوں املاک سے ممکن ہی نہیں اس کا تعلق Physical Price سے نہیں بلکہ صرف سٹے بازی اور سودخوری سے ہے لہٰذا یہ سوال کہ کمپنی حرام کاروبار کررہی ہے یا حلال کاروبار ایک احمقانہ سوال ہے۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ حصص کا کاروبار نہ بیع ہے نہ شراکت نہ عقد صحیح شرعی، مبیع متعین ومعلوم نہیں اسی بنیاد پر مفتی کفایت اللہ نے حصص کے کاروبار کو ممنوع قرار دیا تھا [کفایت المفتی ص ۱۲۳ جلد ۸] اسلام میں بھگوڑے غلام کی فروخت ممنوع ہے۔ حصص کی مثال اسی بھگوڑے غلام جیسی ہے لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب نے ان کمزوریوں کے باوجود حصص کے کاروبار کو حلال قرار دیا۔ حصص میں کمپنی کو شخص قانونی کا درجہ دیا جاتا ہے اور کمپنی کے تحلیل ہوجانے کو اس شخص کی قانونی موت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا شخص ہے جس کا کوئی وجود نہیں جس کی زندگی بھی جعلی ہے اور موت بھی جعلی۔ اس شخص کو ایک حقیقی شخص پر قیاس کرنا محض حسن ظن ہے حسن علم نہیں۔ اسی بنیاد پر خیرالمدارس کے مفتی عبدالستار صاحب نے مفتی تقی عثمانی کی تاویلات کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا تھا کہ مفتی صاحب کی ہر تاویل سمجھ سے باہر ہے۔ عالم اسلام کے مشہور عالم شیخ محمد صدیق الضریر نے حصص کے کاروبار کو محض تخمین اور قیاس آرائیوں پر مبنی قرار دیا ہے اس لیے یہ کاروبار حرام کے درجے میں آجاتا ہے۔ جامعہ حمادیہ کے شیخ الحدیث مفتی حبیب اللہ نے اپنے کتابچے الردالفقہی میں اسلامی بینکاری اور حصص کے کاروبار کا اسلامی بنیادوں پر عمدہ رد کیا ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے حکومت کو بینکوں سے زکوٰۃ لینے کا فتویٰ صادر کیا۔ لیکن اہل فتاویٰ اور علماء نے اس کی تردید کی اور فتویٰ دیا کہ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مفتی عبدالسلام رئیس دارالافتاء نبوری ٹاؤن نے اپنی کتاب ''جواہرالفتاویٰ'' جلد تین میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

۲۴/رجب ۱۴۱۵ھ مورخہ ۲۸/ستمبر ۱۹۹۴ء کو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی دعوت پر پاکستان کے تمام مفتیان کرام کا مذاکرہ دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے بینکوں کے سود کو چھ تاویلات کے ذریعے جائز قرار دینے کے سلسلے میں اپنا موقف شرح وبسط سے پیش فرمایا، لیکن پاکستان کے تمام مفتیان صاحب نے ان کی تاویلات سے اتفاق نہیں کیا۔ مفتی عبدالستار رئیس دارالافتاء خیرالمدارس ملتان نے شدید محاسبہ کیا اور یہ مجلس حضرت تقی عثمانی صاحب کی تاویلات سے متفق ہوئے بغیر شام کو برخواست ہوگئی مفتی تقی عثمانی صاحب نے این آئی ٹی یونٹ اور شاہ فیصل بینک کے کاروبار کو جائز قرار دیا لیکن اس کاروبار میں شرکت کرنے والوں کو شدید نقصانات ہوئے۔ این آئی ٹی یونٹ کی زیادہ تر سرمایہ کاری حصص کے کاروبار میں ہوتی ہے اور یہ سرمایہ کاری دباؤ پر اس وقت لازماً کی جاتی ہے جب اسٹاک مارکیٹ شدید مندی میں ہو، اسے اٹھانے کے لیے ایماندار لوگوں کا سرمایہ جو این آئی ٹی یونٹ میں لگا ہوا ہے حکومت سٹے کے کاروبار میں لگاتی ہے جس کے باعث این آئی ٹی یونٹ میں سرمایہ کاری کرنے والے سفید پوش لوگوں کو شدید مالی نقصانات ہوئے۔ فتاویٰ دینے والے سرمایہ دارانہ نظام کی پیچیدگیوں، بھول بھلیوں، نزاکتوں سے ناواقف ہیں ورنہ وہ الائنس موٹرز، این آئی ٹی یونٹ حصص کے کاروبار کو حلال قرار دینے کے فتاویٰ ہرگز نہ دیتے۔ مفتی تقی امینی صاحب کے علاوہ ہندوستان اور عالم عرب کے جید علماء نے حصص کے کاروبار کو غیر اسلامی اور اسلامی بینک کاری کو سودی نظام قرار دیا ہے۔ اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بلاسود

بینکاری اور حصص کے کاروبار کو حلال تسلیم کرنا، اسے شرعی قرار دینا مشکوک معاملہ ہے۔ عالم عرب کے بیشتر، ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے علماء بلاسود بینکاری کو سودی بینکاری سمجھتے ہیں اور حصص کے کاروبار کو صریحاً حرام قرار دیتے ہیں لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب واضح طور پر بلاسود بینکاری کو اور حصص کے کاروبار کو عین شرعی ثابت کرتے ہیں لہٰذا ان مسائل پر علماء امت کا اجماع نہیں ہے لہٰذا مشکوک چیز پر عمل ایمان کے خلاف رویہ ہے۔ اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ سود اور سٹے کا اشتباہ پیدا ہوگیا ہے تو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان منصوبوں سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے اور ارشاد رسالت مآبؐ ہے کہ ''چراگاہ کے اردگرد گھومنے والا جانور بالآخر چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے گا''۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب تصویر کی حرمت کے بھی قائل نہیں رہے۔ عالم اسلام کے علماء کا ایک اجلاس چند سال پہلے کراچی میں حضرت تقی عثمانی صاحب کی دعوت پر منعقد ہوا۔ اجلاس میں تصویر کو جائز قرار دینے کے لیے ایک فتویٰ پیش کیا گیا۔ اس فتوے پر مفتی مینگل صاحب نے انتہائی اہم نوعیت کے سوالات اٹھائے۔ مولانا حبیب اللہ، مفتی نظام شامزئی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مہتمم فاروقیہ و صدر نشین وفاق المدارس عربیہ پاکستان نے بھی انتہائی اہم مباحث قرآن و سنت کی روشنی میں شرکاء مجلس کے سامنے پیش کیے۔ جن کے جوابات حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نہیں دے سکے۔ لہٰذا علماء عرب نے اس فتوے پر دستخط سے انکار کر دیا کہ جب تک ان سوالات کے تسلی بخش جوابات نہ دیئے جائیں عثمانی صاحب کے موقف کی تائید نہیں کی جا سکتی لہٰذا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ جامعہ فاروقیہ کے قریبی ذرائع نے بتایا ہے کہ دارالعلوم کراچی اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے ابھی تک ان سوالات، اعتراضات اور شبہات کا جواب نہیں دیا۔ الائنس موٹر، حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی کٹوتی، حصص، بلاسود بینکاری، تصویر کی حرمت کے حوالے سے تقی عثمانی کے اجتہادات پاکستانی علماء کی نظر میں اس قدر متنازعہ ہیں تو ان پر از سر نو غور و فکر اور اجتہاد کی ضرورت میں شدید اضافہ ہو گیا ہے۔

سرسید، غلام احمد پرویز، وحیدالدین خان جیسے جدیدیت پسندوں کے اجتہادات کی کوئی اہمیت نہیں لیکن جب اجتہادات مقتدر مذہبی حلقوں کی جانب سے ہوں گے تو انھیں دینی سند حاصل ہوگی۔ لہٰذا دینی مقتدر حلقوں کا فریضہ ہے کہ وہ اجتہاد سے پہلے مغرب کے فکر و فلسفے اس کی سائنس، نیچرل سائنس، سوشل سائنس، اس کی تاریخ، سرمایہ داری کی تاریخ، بہیمیت کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی تناظر میں کلی بنیادوں پر فتویٰ صادر کریں ورنہ وہ مغرب سے عدم واقفیت کی بنیاد پر اسلام کی کڑیاں بکھیر دیں گے۔ امام احمد بن حنبل ایک دفعہ کسی جگہ سے گزر رہے تھے راستے میں کیچڑ تھا۔ انھوں نے ایک شخص کو متنبہ کیا کہ سنبھل کر چلو کیچڑ سے پھسل جاؤ گے۔ اس نے جواباً کہا حضرت آپ سنبھل کر چلیے اگر میں پھسلا تو صرف میں گروں گا لیکن اگر آپ پھسل گئے تو پوری امت پھسل جائیگی۔ لہٰذا علماء کو اجتہادی امور میں نہایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ علماء کو اس معاملے میں گہری بصیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ عجلت اور محنت کے بغیر اجتہادات دین کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ مغرب کی خواہش ہے کہ کسی طرح علماء سے کسی بھی اجماع کے خلاف فتویٰ لے لیا جائے تا کہ اسلامی علمیات میں شگاف ڈالا جا سکے۔ تصویر پر علماء کے متفقہ فیصلے کی کوشش دراصل اجماع کی حرمت کو ختم کرنے کی دانستہ حکمتِ عملی ہے۔